اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	نیک اعمال پر بھرپور اَجر کا وعدہ		۵
نظر وفکر	جھک بازی سے پرہیز!	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	اَعمال پر بھروسہ نہ کیجئے	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۱
مقالات ومضامین	رزق کے حصول میں شریعت کی......	مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی	۱۷
	نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا	صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالباسط محمد جدہ	۲۱
	مقامِ ابراہیم؛ تاریخی وشرعی حیثیت	مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی	۲۹
	جس کا رب اُس کا سب	مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی	۳۶
	منشیات کے رواج کے بنیادی اَسباب	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی	۴۰
	اِسلام میں فحاشی اور بے حیائی......	مولانا مفتی محمد رضوان قاسمی	۴۶
	سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۴۹
	چند علاماتِ قیامت	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۵۷
کتاب المسائل	مسائلِ ظہار	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۰
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کی مشغولیات، رمضان میں جامعہ کی سرگرمیاں، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

نیک اعمال پر بھرپور اجر کا وعدہ

ارشادِ ربانی: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ. (البقرۃ: ۲۷۷)

ترجمہ: ’’بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے، اُن کے لئے اپنے رب کے پاس اُن کا اجر وثواب مقرر ہے، اور نہ اُن کو کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے‘‘۔

اِس آیت میں سود لینے والے مجرمین کے مقابلہ میں باعمل اہلِ ایمان کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں کبھی ضائع نہ ہوں گی؛ بلکہ جب وہ آخرت میں رب العالمین کے دربار میں حاضر ہوں گے، تو اپنے نیک اعمال کا بھرپور اجر وثواب اُن کے سامنے ہوگا، اور اُن کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہوگی، جس کی وجہ سے نہ تو اُنہیں کسی کا ڈر ہوگا اور نہ ہی کسی طرح کا غم اُنہیں لاحق ہوگا۔ گویا کہ اُن کا دل خوشی، مسرت اور اطمینان سے معمور ہوگا۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کامیابی کا مدار صرف اور صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے، اور یوں تو سبھی اعمالِ صالحہ اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں؛ لیکن خاص طور پر نماز اور زکوٰۃ کا یہاں ذکر کرکے اِن دونوں عبادات کی مزید اہمیت اُجاگر کی گئی ہے۔ ان میں سے نماز بدنی عبادات کی بنیاد ہے، جب کہ زکوٰۃ مالی عبادات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس میں یہ اِشارہ بھی موجود ہے کہ مؤمن کو نیکیوں کے حصول میں بالخصوص فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، خواہ وہ فرائض بدنی ہوں یا مالی۔

اور یہاں سود کی برائی کے بیان کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کی تلقین میں ایک ظاہری حکمت یہ بھی ہے کہ سود کی وجہ سے دل میں لالچ کے جراثیم پنپتے ہیں، اور سود خور آدمی حلال وحرام کی تمیز بھول کر صرف اور صرف اپنے مال کو بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اِس کے برخلاف زکوٰۃ اور صدقات کی خوش دلی سے ادائیگی کی بناپر طبعیت میں دنیا سے بے رغبتی، اور آخرت کی فکر جیسے اچھے اخلاق اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔

بریں بنا اسلامی معاشرہ میں نماز اور زکوٰۃ وصدقات کا رواج عام ہونا چاہئے، اور دین داری کی ایسی کیفیت پیدا ہونی چاہئے کہ اگر شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے دنیوی اعتبار سے کوئی نقصان بھی نظر آرہا ہو تو اُس پر دل میں کوئی غم اور افسوس نہ ہو؛ بلکہ ایک طرح کی اطمینان کی کیفیت حاصل ہو کہ ہم نے شریعت کی روشنی میں جو کچھ بھی کیا اُس کا نعم البدل ہمیں آخرت میں ضرور نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ کیفیت نصیب فرمائیں، آمین۔

□□□

نظر وفکر

رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات (۳)

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

جھک بازی سے پرہیز!

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اُن سے جب کوئی شخص جاہلانہ انداز میں بحث ومباحثہ کرتا ہے، تو وہ اُس کے جواب دینے میں نہیں پڑتے؛ بلکہ خوش اُسلوبی کے ساتھ بے فائدہ بحث ومباحثہ سے اپنا دامن بچالیتے ہیں۔ چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان: ٦٣] یعنی جب اُن سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ''صاحب سلامت''۔ یعنی ہمارے پاس اِتنا وقت نہیں ہے کہ ہم تمہاری باتوں کا جواب دینے میں اپنے اوقات کو صرف کریں؛ اِس لئے کہ سمجھایا اُسے جاسکتا ہے جو سمجھنے کے لئے آمادہ ہو، پس جو شخص اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھنا ہی نہ چاہتا ہو اُس سے بحث ومباحثہ بیکار ہے، اور وقت کا ضیاع ہے۔

دراصل اِس خوبی کا تعلق زبان کی حفاظت سے ہے، کہ آدمی اِس بات کی پوری کوشش کرے کہ اُس کی زبان سے کوئی ایسی گفتگو صادر نہ ہو، جو بعد میں اُس کے لئے نقصان یا افسوس کا سبب بنے۔ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ هُوَ عَلَيْهِ إِلَّا أَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرًا لِلّٰهِ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٣٨/٥)

آدمی کی ہر گفتگو اُس پر وبال ہے، سوائے اُس گفتگو کے جس کا تعلق امر بالمعروف، نہی عن المنکر یا اللہ کے ذکر سے ہو۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَفَّ لِسَانَهُ سَتَرَهُ عَزَّوَجَلَّ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ مَلَكَ غَضَبَهُ وَقَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَذَابَهُ، وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهُ. (كتاب الصمت: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٤٤/٥)

جس نے اپنی زبان روک کر رکھی تو اللہ تعالیٰ اُس کی خفیہ باتوں کو چھپا کر رکھیں گے، اور جس آدمی نے اپنے غصہ پر کنٹرول رکھا تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے عذاب سے محفوظ فرمائیں گے، اور جس شخص نے اپنی غلطی پر اللہ کے دربار میں معذرت پیش کی تو اللہ تعالیٰ اُس کی معذرت قبول فرمائیں گے۔

حضرت رکب المصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طُوبىٰ لِمَنْ أَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهٖ وَأَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٤٤/٥)

خوش خبری ہے اُس شخص کے لئے جو اپنا زائد مال کارِ خیر میں خرچ کرے، اور بشارت ہے اُس شخص کے لئے جو بے ضرورت گفتگو پر کنٹرول رکھے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٨٦/٥)

یقیناً اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتوں سے پرہیز کرے۔

اور صحابیِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ: ’’آدمی اُس وقت تک اللہ سے ڈرنے کا حق ادا نہیں کرسکتا، جب تک کہ زبان کو اپنے قابو میں نہ رکھے‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۴۰/۵)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’زبان سے ہمیشہ اچھی بات نکالو، تو فائدہ میں رہوگے، اور لغو گفتگو سے خاموش رہو تو شرمندگی اور ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہوگے‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۴۲/۵)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قیمتی مقولہ ہے کہ: ’’جس معاملہ سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو اُس میں دخل مت دو، اور لغو گفتگو مت کرو، اور اپنی زبان کو ایسے محفوظ رکھو جیسے اپنی نقدی کو محفوظ رکھتے ہو‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۴۶/۵)

تابعی جلیل حضرت مجاہدؒ اپنے اُستاذِ گرامی رئیس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے ارشاد فرمایا:

خَمْسٌ لَهُنَّ أَحْسَنُ مِنَ الدُّهْمِ الْمُوْقَفَةِ: (١) لَا تَتَكَلَّمْ فِيْمَا لَا يَعْنِيْكَ؛ فَإِنَّهٗ فَضْلٌ. وَلَا آمَنُ مِنْكَ الْوِزْرَ. (٢) وَلَا تَتَكَلَّمْ فِيْمَا يَعْنِيْكَ، حَتّٰى تَجِدَ لَهٗ مَوْضِعًا؛ فَإِنَّهٗ رُبَّ مُتَكَلِّمٍ فِيْ أَمْرٍ يَعْنِيْهِ، قَدْ وَضَعَهٗ

جس شخص کو پانچ باتیں مل جائیں وہ اُس کیلئے نکیل ڈالے ہوئے گہرے رنگ کے گھوڑوں سے بھی بہتر ہیں: (۱) لایعنی گفتگو بالکل مت کرو؛ کیوں کہ وہ فضول ہے؛ بلکہ اُس کے گناہ اور بوجھ ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ (۲) بامقصد گفتگو بھی اُس وقت تک مت کرو، جب تک کہ اُس کے لئے مناسب موقع

فِي غَيْرِ مَوْضِعِهٖ فَيَعْنَتَ. (۳) وَلاَ تُمَارِ حَلِيْمًا وَلاَ سَفِيْهًا، فَإِنَّ الْحَلِيْمَ يَقْلِيْكَ، وَإِنَّ السَّفِيْهَ يُؤْذِيْكَ. (۴) وَاذْكُرْ أَخَاكَ إِذَا تَغَيَّبَ عَنْكَ بِمَا تُحِبُّ أَنْ يَذْكُرَكَ بِهٖ، وَاعْفُهُ عَمَّا تُحِبُّ أَنْ يَعْفِيَكَ مِنْهُ. (۵) وَاعْمَلْ عَمَلَ رَجُلٍ يَرىٰ أَنَّهُ مُجَازًى بِالْإِحْسَانِ، مَأْخُوْذٌ بِالْإِجْرَامِ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ۵/۹۰)

محل نہ پالو؛ کیوں کہ بسا اَوقات صحیح گفتگو غیر محل میں کرنے کی وجہ سے بھی آدمی مشقت میں پڑجاتا ہے۔ (۳) کسی بردبار یا بے وقوف شخص سے بحث ومباحثہ مت کرو؛ کیوں کہ بردبار شخص تمہاری دشمنی دل میں بٹھالے گا اور بے وقوف شخص تمہارے لئے اَذیت کا باعث ہوگا۔ (۴) اور اپنے غائب بھائی کا تذکرہ ایسے ہی انداز سے کیا کرو، جیسے تم اُس سے اپنا تذکرہ کرانا چاہتے ہو، اور اُس سے اِسی طرح درگذر کا معاملہ کرو، جیسے تم اُس سے اپنے لئے چاہتے ہو۔

(۵) اور تم ہمیشہ ایسے شخص کی طرح ہر معاملہ کرو، جسے اِس بات کا یقین ہو کہ اُسے اچھائی کا بدلہ مل کر رہے گا، اور برائی کی وجہ سے وہ پکڑا جائے گا۔

مذکورہ بالا اَحادیث وآثار سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہی آدمی دنیا میں فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو گفتگو میں ہمیشہ احتیاط سے کام لے، اور بے فائدہ موضوعات سے ہرگز دلچسپی نہ لے، اور بالخصوص جھک بازی اور جھگڑوں کی باتوں سے اپنے کو بچا کر رکھے۔

دینی موضوعات میں جھک بازی زیادہ مضر ہے

افسوس ہے کہ آج کل جہاں مختلف دنیوی موضوعات پر بے فائدہ بحثیں عام ہیں (چناں چہ ہوٹلوں اور چوپالوں پر گھنٹوں گھنٹوں ایسی بحثیں ہوتی رہتی ہیں، جن سے دنیا یا دین کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہوتا، اور اُس پر طرہ یہ کہ بڑے بڑے اربابِ دانش بھی اِسے معیوب نہیں سمجھتے؛ بلکہ ایسی بحثوں میں سرگرمی کے ساتھ شریک رہتے ہیں) وہیں دینی موضوعات پر بھی عوامی بحث ومباحثہ اور اظہار رائے کو ایک فیشن بنالیا گیا ہے۔ اصل مسئلے اور دلائل سے قطعاً واقفیت نہ ہونے کے باوجود دینی مسائل کے بارے میں ایسی دھواں دھار بحثیں ہوتی رہتی ہیں، گویا سارا اِجتہادی ذخیرہ اُن کی نظروں میں ہو۔ اور پھر اپنے موقف پر ایسا جمود ہوتا ہے کہ اُس کے بالمقابل کتنی ہی مضبوط دلیلیں کیوں نہ پیش کردی جائیں، آدمی اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا، حالاں کہ معلومات کے بغیر جھک بازی اور حق سامنے آنے کے باوجود محض اپنی بات اوپر رکھنے کے لئے جھوٹی سچی تاویلات کے

ذریعہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اترے رہنا اور اپنی رائے کی پچ کرتے رہنا بڑی بے عزتی اور دنیا وآخرت میں خسارے کی بات ہے، یہ سراسر نفسانیت ہے، جس کی شریعت میں ہرگز گنجائش نہیں، اس طرح کی خودرائی کی مذمت اَحادیثِ شریفہ میں بکثرت وارد ہے۔ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الأَلَدُّ الْخَصِمِ. (شعب الإيمان ٣٤٠/٦ رقم: ٨٤٢٩)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص وہ ہے جو سخت ضدی اور جھگڑالو ہو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَادَلَ فِيْ خُصُوْمَةٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰـهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (كتاب الصمت: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ١١٣/٥)

جو آدمی کسی جھگڑے میں صحیح معلومات کے بغیر بحث ومباحثہ کرے، وہ مسلسل اللہ کے غضب میں رہتا ہے؛ تا آں کہ اُس جھگڑے سے الگ نہ ہوجائے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَّا أُوْتُوْا الْجَدَلَ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ : مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلاً، بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ. (ترمذی شریف، التفسير ١٦١/٢ رقم: ٣٢٥٣، مسند أحمد رقم: ٢٢٢٢٦)

کوئی بھی قوم اپنی ہدایت سے اسی وقت بھٹکتی ہے جب کہ ان میں (باطل موقف پر) جھک بازی اور ہٹ دھرمی شروع ہوجائے، پھر پیغمبر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) ان لوگوں (اہل مکہ) نے آپ سے جو مثال بیان کی ہے وہ محض جھگڑنے کے لئے ہے؛ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔

اور حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَجُوْجاً مُمَارِياً مُعْجَباً بِرَأْيِهٖ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهٗ. (شعب الإيمان ٣٤١/٦ رقم: ٨٤٣٥)

جب تم کسی کو اپنی بات پر پچ کرنے والا جھگڑالو اور اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنے والا دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا نقصان اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے:

اَلْمِرَاءُ يُفْسِدُ الصَّدَاقَةَ الْقَدِيْمَةَ وَيَحُلُّ الْعُقَدَ الْوَثِيْقَةَ. (شعب الإيمان ٣٤١/٦)

جھک بازی پرانی دوستی کو خراب کردیتی ہے، اور بند گرہوں کو کھول دیتی ہے۔

علاوہ ازیں علماء کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہئے کہ دینی معلومات اِس لئے نہیں حاصل کی جاتیں کہ اُن کے ذریعہ جھک بازی کی جائے اور اپنی علمی دھاک لوگوں پر قائم کی جائے، جو اپنے علم سے ان حقیر مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اس کا انجام جہنم ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَا تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْلِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِتَصْرِفُوْا بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِى النَّارِ (سنن ابن ماجة ۲۳ رقم: ۲۵٤، معارف القرآن ٤۳۱/۵)

علماء پر بڑائی جتانے، بے وقوفوں سے جھک کرنے یا اپنی جانب لوگوں کو متوجہ کرنے (اپنا معتقد بنانے) کی غرض سے علم مت سیکھو؛ کیوں کہ جو ایسا کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح کسی دوسرے عالم کو زبردستی اپنی رائے ماننے پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ مناسب انداز میں اپنی بات پیش کردینی چاہئے، پھر اگر مان لی جائے تو بہت اچھا، ورنہ یہ نہ ہو کہ بس پیچھے ہی پڑ گئے اور اپنی ساری صلاحیت اپنی بات کو برتر ثابت کرنے پر جھونک دی، یہ بات بجائے خود علمی آداب اور عالمانہ طور طریقے کے خلاف ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے:

اَلْمِرَاءُ وَالْجِدَالُ فِيْ الْعِلْمِ يَذْهَبُ بِنُوْرِ الْعِلْمِ عَنْ قَلْبِ الْعَبْدِ وَقِيْلَ لَهُ: رَجُلٌ لَهُ عِلْمٌ بِالسُّنَّةِ فَهَلْ يُجَادِلُ عَنْهَا؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنْ يُخْبِرُ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ قُبِلَ مِنْهُ وَإِلَّا سَكَتَ. (مقدمه أوجز المسالك ۱۵/۱ قديم، معارف القرآن ٤۳۱/۵)

علم میں جھگڑا اور پیچ بازی آدمی کے دل سے علم کے نور کو مٹا دیتی ہے، اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے پاس حدیث اور سنت کا علم ہو تو کیا وہ اس کی روشنی میں مناظرہ کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ’’نہیں؛ بلکہ اپنی روایت لوگوں کے سامنے پیش کردے اگر قبول کرلی جائے تو بہت اچھا ورنہ خاموش رہے‘‘۔ (جھک نہ کرے)

خلاصہ یہ کہ ہم اپنے قیمتی لمحات کو فضول اور بے فائدہ بحثوں میں ہرگز ضائع نہ کریں، خاص کر دینی مسائل میں خواہ مخواہ کی موشگافیوں سے پوری طرح پرہیز کریں، اور سلامت روی کی راہ کو کبھی نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی کج فکری سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

درسِ حدیث:

اَعمال پر بھروسہ نہ کیجئے!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الآيَةِ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ. قَالَ لَا، يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ! وَلٰكِنَّهُمْ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ أَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ، أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ. (رواه الترمذي، مشكوٰة ٤٥٧)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ جس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ، وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں (راہِ خدا میں) اس حال میں کہ ان کے قلوب ڈرتے رہتے ہیں، کیا اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اے صدیق کی بیٹی! ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو روزہ بھی رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اور صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں؛ لیکن پھر بھی اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں ان کے اعمال قبول کرنے کے بجائے رد نہ کردئے جائیں، یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں کو انجام دینے میں تیزی دکھاتے ہیں۔

تشریح: نبی کریم علیہ السلام اگر ایک طرف محسن انسانیت، شافع محشر، نبی برحق، صاحب کوثر، اور محبوب رب العالمین ہیں، تو دوسری طرف اللہ رب العزت کی آخری کتاب کے مفسر اور شارح ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے، آپ کا کام صرف قرآن کے الفاظ ہی امت کے سامنے پیش کردینے کا نہیں تھا؛ بلکہ اس کی توضیح وتشریح بھی آپ ہی کی ذمہ داری تھی، چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی قرآن کریم کے مفہوم ومعنی کو سمجھنے میں پریشانی سے دوچار ہوتے تو خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر دریافت کرتے اور حقیقی مفہوم تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کرتے۔

درج بالا روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک آیت مبارکہ کا مطلب دریافت فرمارہی ہیں، اپنے ذہن میں آنے والا مفہوم بھی بیان کرتی ہیں، اور صحیح مفہوم تک رسائی بھی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ام المؤمنین کیا سمجھیں

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے معلوم کیا کہ اس آیت کا مصداق کون لوگ ہیں کہ جس میں اللہ رب العزت ارشاد فرمارہے ہیں کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی ان کے دل خوف ودہشت سے کانپتے رہتے ہیں، کیا یہ شرابی لوگ ہیں یا چور ہیں، جو اپنے گھناؤنے جرائم کی وجہ سے صدقہ وخیرات کرنے کے باوجود عذابِ الٰہی سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ ام المؤمنین کی بات اس معنی کر درست ہے کہ صدقہ وخیرات سے گناہ مٹادئے جاتے ہیں، اور غضب خداوندی ٹھنڈا ہوجاتا ہے، تو پھر ڈروخوف کا کیا مطلب؟ یقیناً ان لوگوں سے کچھ ایسے گناہِ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں گے کہ جن کی معافی ان کو مشکل نظر آرہی ہوگی، مثلاً شراب نوشی کہ جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اسی طرح چوری کہ جو مال حرام کا ذریعہ ہے، یہ ایسی برائیاں ہیں کہ ان میں ملوث افراد کے دلوں میں صدقہ وخیرات کرنے کے باوجود خوف ودہشت کا ہونا سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کیا آیت مبارکہ کا مصداق واقعی شرابی اور چور اچکے ہیں؟

آیت کا صحیح مفہوم

نبی کریم علیہ السلام نے ام المؤمنین کی پوری بات سن کر آیت کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے صدیق کی بیٹی! آیت میں ذکر گناہ گاروں کا نہیں ہے، اور اس سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے بعد اپنے گھناؤنے جرائم کی وجہ سے ڈروخوف میں مبتلا رہتے ہوں؛ بلکہ اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو روزہ ونماز اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور پھر بھی ہر وقت ان پر یہ خوف سوار رہتا ہے کہ کہیں ان کے اعمال مقبول بارگاہِ ایزدی ہونے کے بجائے رد نہ کردئے جائیں، ان کا کیا دھرا کہیں بربادی کے گھاٹ نہ اتر جائے، اور ان کی نیکیاں کہیں اکارت نہ ہوجائیں، یہی وہ سوچ ہے جو ہمہ وقت ان کو خوف وبے چینی میں مبتلا رکھتی ہے۔ گویا وہ نماز وروزہ، صدقہ وخیرات کرتے ہیں، مگر اتراتے نہیں ہیں، نیکیوں کو انجام دیتے ہیں مگر نجات سے بےفکر نہیں ہوتے، اور اپنے کئے پر بھروسہ کرکے خدا کے سامنے رونے اور گڑگڑانے سے باز نہیں آتے۔

اُمت کا عام مزاج

آج کل ہمارے معاشرہ میں ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ جو دین کے کاموں سے جڑنے کی وجہ سے اپنی طرف سے بے فکر ہو جاتے ہیں، ان کو اپنی نجات کے یقینی ہونے کا وہم ہو جاتا ہے، جو کسی بھی شخص کی ہلاکت اور اخروی بربادی کے لئے کافی ہے، عام طور پر نیکیوں کو انجام دینے والے اور کسی دینی خدمت سے وابستہ افراد اپنی نجات سے مطمئن ہو کر صرف دوسروں کی فکر میں گھلنے لگتے ہیں، اور پورا وقت دوسروں کی نظر کر دیتے ہیں، نہ توبہ واستغفار کا اہتمام کرتے ہیں، نہ عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ دیتے ہیں، اور نا ہی معاملات کو سدھارنے پر دھیان دیتے ہیں، بس صبح وشام امت کی اصلاح کی فکر ان کو پریشان کئے رہتی ہے، گویا وہ پوری طرح اپنے بارے میں مطمئن رہتے ہیں، اور اپنی نجات کا ان کو پورا یقین ہوتا ہے، اسی لئے تو ایسے لوگ نہ دین داروں سے اپنے تعلقات بڑھاتے ہیں، نہ اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہیں، اور نا ہی کسی عالم باعمل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالآخر ایسے لوگ نیکیوں کو انجام دینے میں پیچھے رہ جاتے ہیں، اور خود فراموشی کے عادی بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اخروی ناکامی سے ان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام تر فضائل ومناقب اور سعادتوں کے باوجود زندگی بھر اپنی مغفرت کی طرف سے فکرمند رہے، اور ہر وقت خدائے ذوالجلال کے رحم وکرم اور فضل وعنایت کے طالب بنے رہے۔

چناں چہ ایک صحابی کے مرض الوفات کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے حضرت ابونضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ نامی صحابی بیمار ہوئے، دوسرے ساتھی ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے گئے، جن کو دیکھ کر ابوعبداللہ رونے لگے، ساتھیوں نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب آپ مسلمان ہونے کے لئے آئے تھے تو آپ کی موچھیں بڑی بڑی تھیں، جن کو دیکھ کر نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم برابر اپنی موچھوں کو کترواتے رہنا، یہاں تک کہ آخرت میں مجھ سے آملو! گویا نبی کریم علیہ السلام نے تو آپ کو دنیا ہی میں نجاتِ اخروی کی بشارت دے دی ہے؛ کیوں کہ آخرت میں نبی کریم علیہ السلام سے جاملنا اسی کو نصیب ہوگا کہ جس کی مغفرت ہو جائے گی، (تو پھر آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟) ابوعبداللہ بولے کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان خوب یاد ہے، مگر میرے سامنے نبی کریم علیہ السلام کا ایک دوسرا فرمان ہے جو مجھے بے چین کئے دے رہا ہے، ایک روز میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کچھ لوگوں کو اپنی داہنی مٹھی میں لے کر جنت میں داخل کردے گا، اور کچھ لوگوں کو دوسری مٹھی میں لے کر جہنم میں جھونک دے گا، اور اے ساتھیو! مجھے نہیں معلوم کہ میں خدا کی کونسی مٹھی میں ہوں گا۔ بس یہی وہ فکر ہے جو مجھ کو رلا رہی ہے۔ روایت حسب ذیل ہے:

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ ﷺ أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُقَالُ لَهُ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ، دَخَلَ عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ يَعُوْدُوْنَهُ وَهُوَ يَبْكِيْ، فَقَالُوْا لَهُ مَا يُبْكِيْكَ؟ أَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ، ثُمَّ أَقِرَّهُ حَتّٰى تَلْقَانِيْ، قَالَ بَلٰى! وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِيَمِيْنِهٖ قَبْضَةً وَأُخْرٰى بِالْيَدِ الْأُخْرٰى وَقَالَ: هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ لِهٰذِهٖ، وَلَا أُبَالِيْ وَلَا أَدْرِيْ فِيْ أَيِّ الْقَبْضَتَيْنِ أَنَا. (رواه أحمد، مشكوٰة شريف ٢٤)

حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص جن کو ابوعبد اللہ کہا جاتا تھا بیمار ہوئے، لوگ ان کی عیادت کو گئے، تو وہ رونے لگے، ساتھیوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا نبی کریم علیہ السلام نے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی موچھیں کترواتے رہنا، یہاں تک کہ مجھ سے آملو، وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ (آپ نے یہ فرمایا تھا) لیکن میں نے نبی کریم علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ رب العزت اپنی داہنی مٹھی میں (کچھ لوگوں کو) لے گا، اور (کچھ لوگوں کو) دوسری مٹھی میں، اور آپ نے فرمایا کہ داہنی طرف والے جنت کے لئے ہوں گے اور دوسری طرف والے جہنم کے لئے ہوں گے اور مجھے نہیں معلوم کہ میں خدا کی کونسی مٹھی میں ہوں گا۔

تین کام نہایت اہم اور ضروری ہیں

ہر شخص کو جو آخرت میں نجات کا خواہاں ہوں، تین باتوں کا خیال رکھنا لازم اور ضروری ہے، ورنہ تو اس کے اعمال اکارت اور ضائع ہوجائیں گے، اور آخرت میں کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔

(۱) جب آدمی کو کسی نیکی کی توفیق ہوجائے تو اس پر اترانے اور اکڑنے کے بجائے خدائے ذو الجلال کی حمد وثنا کرے، اس کا شکر ادا کرے؛ کیوں کہ اس کے فضل وکرم اور توفیق کے بغیر انسان نہ کسی خیر کو

انجام دے سکتا ہے اور نا ہی کسی برائی سے بچ سکتا ہے۔

چناں چہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر انسان کے دل میں نیکی اور بھلائی کا جذبہ پیدا ہو تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھے اور حمد وثنا کرے اور اگر برائی کا خیال دل میں آئے تو اس کو شیطان کی طرف سے جان کر اعوذ باللہ پڑھے۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرىٰ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. (رواہ الترمذي، مشکوۃ ۱۹/)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بنو آدم میں شیطان بھی اثر ڈالتا ہے اور فرشتہ بھی اس کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے، شیطان تو اس سے برائی کا وعدہ کرتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے، جب کہ فرشتہ خیر کا وعدہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق پر اس کو ابھارتا ہے؛ لہٰذا جو شخص اس طرح (خیر) کا خیال دل میں پائے اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد وثنا کرے؛ کیوں کہ یہ من جانب اللہ ہے اور جو دوسرا (برائی کا) خیال پائے تو وہ اعوذ باللہ پڑھے۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان اعمالِ خیر کو انجام دینے کے بعد مستقل اس کی قبولیت کی دعا کرتا رہے، اور نہایت تواضع وانکساری کے ساتھ اپنے رب کو مخاطب کرکے یہ آواز لگاتا رہے کہ: اے خدا! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، کہاں میں اور کہاں تیری شانِ بلند وبالا؟ کہاں میری عبادات اور کہاں تیری ذاتِ والا صفات؟ کہاں مجھ جیسا بندہ ذلیل اور کہاں احکم الحاکمین، شہنشاہوں کا شہنشاہ؟ اے خدائے ذوالجلال تو محض اپنے فضل وکرم سے میری بے حیثیت اور ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو شرفِ قبولیت سے مالا مال فرما کر مجھ جیسے نالائق اور گناہ گار بندے کو دونوں جہاں میں سرخ روئی نصیب فرما۔

اللہ رب العزت کی ذات چوں کہ بڑی بے نیاز ہے، اس لئے اس کی عبادت کرنے والے اگر بے رخی اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے نیازمندی، خوف ورجاء اور امید وبیم کو چھوڑ بیٹھیں گے تو نیکیوں کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما

السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ جب دونوں باپ بیٹوں نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کا عظیم الشان کام سرانجام دے دیا تو اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ پتہ نہیں یہ عمل خیر بارگاہِ ایزدی میں مقبول بھی ہوگا یا رد کر دیا جائے گا، اس لئے فوراً نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے قبولیت کی درخواست پیش کرنے لگے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (البقرة: ۱۲۷)

اور جب ابراہیم واسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب قبول کر ہماری طرف سے، بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

جب انبیاء کرام علیہ السلام قبولیت سے بےفکری کا اظہار نہیں کرتے تھے تو ہم اور آپ کیسے اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ ہمارے اعمال ضرور قبول ہو جائیں گے، اور ہماری نجات یقینی ہے۔

(۳) طالب نجات کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ ایسے کاموں سے بچتا رہے جو نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں، یعنی خاص طور پر ان گناہوں سے دور رہے جو انسان کی نیکیوں کو بربادی کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، مثلاً (الف) حسد ہے، یہ دل کا وہ روگ ہے جس سے انسان کے اعمالِ صالحہ خاک میں مل جاتے ہیں۔ چناں چہ ارشادِ نبویؐ ہے:

إِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (رواه أبوداؤد، مشكوٰة ۴۲۸)

بے شک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(ب) حق تلفی کرنا، یہ بھی ایسا گناہ ہے کہ جس کے چلتے انسان کی نیکیاں اس کے کام نہیں آسکیں گی؛ بلکہ ان کو حق داروں میں تقسیم کر دیا جائے گا، اور وہ ہاتھ ملتا رہ جائے گا، اسی طرح (ج) بدزبانی کا گناہ بھی انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے، نماز روزہ، حج زکوٰۃ، ہر طرح کی نیکی زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے، جھوٹ، فریب، گالم گلوچ، غیبت، الزام تراشی، فحش گوئی وغیرہ جیسے گناہ زبان ہی سے کئے جاتے ہیں، جن سے اعمالِ صالحہ اکارت اور ضائع ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور ہماری تمام نیکیوں کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے۔ آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ.

□□□

رزق کے حصول میں شریعت کی رہنمائی

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ایم پی وصدر دینی تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکرنگرنئی دہلی

اس طویل وعریض دنیا میں نہ جانے کتنی قسم کی اور کیسی کیسی مخلوقات بستی ہیں، سب کی نوعیتیں مختلف ہیں، اجناس مختلف ہیں اورسب کا زندگی گزارنے کا طریقہ مختلف ہے، مگرایک چیز سب جانداروں میں قدرِ مشترک ہے کہ انھیں اپنی زندگی گزارنے کے لیے کھانے پینے کی ضرورت پڑتی ہےاور سب کی خوراک بھی الگ الگ ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ وہ تنِ تنہا ان ساری ان گنت مخلوقات کی روزی کا انتظام کرتاہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ’’زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو، اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے، سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے‘‘۔ (سورۂ ہود:٦)

رزق اور مال ودولت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمتیں ہیں، جن کے تحت وہ مخلوقات میں رزق کی تقسیم کرتاہے، انسانوں میں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کے پاس بے پناہ دولت ہوتی ہے، جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں بس زندگی گزارنے کے بقدر روزی میسر ہوتی ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو یکسر خالی ہاتھ ہوتے ہیں، اوران کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے، اس میں بھی اللہ کی عظیم حکمت یہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح ہم ایک دوسرے سے عبرت حاصل کریں اور ساتھ ہی اپنی اپنی وسعت کے مطابق ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے میں دل چسپی کا مظاہرہ کریں، اللہ تعالیٰ کسی متمول بندے کوایک دوسرے نادار ومحتاج بندے تک روزی پہنچانے کا ذریعہ بھی بناتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے‘‘۔ (سورۂ شوریٰ:١٢)

مزید فرمایا: ’’اور آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے‘‘۔ (سورۂ ذاریات:٢٢)

احادیث اور اپنے شب و روز کے عمل کے ذریعے اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں یہ عقیدہ راسخ کیا ہے کہ رزق کی تمام تر ذمے داری اللہ اور خالقِ کائنات کے سپرد ہے اور اسے اپنی ہر مخلوق اور ہر ضرورت مند بندے کی ضرورت کا مکمل علم ہے، اس لیے بندے کو تنگدستی میں مایوس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تقویٰ، پرہیزگاری اور اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہوئے رزق کی تلاش میں لگنا چاہیے، حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو، تقویٰ اختیار کرو، خوش اسلوبی سے رزق طلب کرو، بلاشبہ کسی انسان کو اس وقت تک موت نہیں آسکتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنا پورا رزق نہ کھالے، اگرچہ رزق اس تک پہنچنے میں دیر کردے؛ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور خوش اسلوبی سے مانگو، جو حلال ہے اس کو لے لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۱۴۴)

انسان کے مقدر میں جو رزق لکھا ہوا ہوتا ہے، وہ اس تک پہنچ کر رہتا ہے، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں، اس کی مثال ہمیں عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعے میں ملتی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک سائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کچھ ایسی کھجوریں آپ کی خدمت میں آئی ہوئی تھیں، جن کا مالک نامعلوم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں اس کو دے دیں، اور اس سے فرمایا: ''ان کو لے لو اگر تم ان کے پاس نہ آتے تو یہ تمہارے پاس پہنچ جاتیں''۔ (صحیح ابن حبان: ۳۲۴۰)

اسلام ہمیں اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ ہم رزق کے حصول کی جدوجہد میں سارا انحصار اور بھروسہ اپنی محنت اور کمائی ہی پر نہ کریں، بلکہ ہمارا اصل اعتماد اور توکل اس ذات پر ہونا چاہیے، جو مسبب الاسباب ہے اور جو ساری مخلوقات کی روزی کا انتظام کرنے والی ہے، حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم اللہ پر ویسے توکل کرو جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ خالی پیٹ صبح کو نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر شام کو واپس آتے ہیں''۔ (سنن ترمذی: ۲۳۴۴)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ رزق انسان کو ویسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے''۔ (صحیح ابن حبان: ۳۲۳۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے اس کا رزق متعین کر دیا ہے، اڑنے والے

پرندوں کا رزق فضاؤں میں اور زمین میں رکھا، مچھلی کا پانی میں، جنین کا ماں کے پیٹ میں، زمین پر حرکت کرنے والی ہر مخلوق کا رزق زمین پر رکھا اور اس کے لئے وہاں پہنچنا آسان کردیا ہے، ذرائع مختلف ہوسکتے ہیں، یہ انسان کے اپنے اختیار پر منحصر ہے کہ وہ حصولِ رزق کے لیے کیسا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہے تو اس کے رزق اور سامانِ زیست میں برکت عطا فرماتا ہے، اگرچہ اس کے پاس رزق بظاہر کم ہی کیوں نہ ہو لیکن ایسا انسان ذہنی اور قلبی اعتبار سے پرسکون ہوتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، لیکن اگر اس کو برکت کی دولت سے محروم کردیا گیا تو اگرچہ اس کے پاس بہت کچھ ہو، لیکن اس سے اس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے، مزید یہ کہ بے برکتی کی وجہ سے مال ودولت اور تمام اسبابِ عیش ہونے کے باوجود اس کے دل میں ایک عجیب قسم کی بے سکونی اور بے چینی کی کیفیت برپا رہتی ہے۔

یہ ایمان کے مبادیات کا حصہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے دل میں اس بات کا پختہ یقین رکھے کہ اس کے حصے کا رزق طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، اس سلسلے میں احادیث میں تفصیلات وارد ہوئی ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کو چار امور لکھنے کا حکم ہوتا ہے: اس بچے کا عمل، رزق، موت، بدبختی یا سعادت، لہذا جو کسی انسان کے مقدر میں ہوگا وہ اور کسی کو نہیں مل سکتا ہے اور کوئی انسان اس وقت تک دنیا سے نہیں جاسکتا ہے جب تک کہ وہ دنیا میں اپنا رزق مکمل نہ کردے۔

البتہ رزق کے حصول کے کچھ اسباب ہیں جن کو اختیار کرنا بندے کے لئے ضروری ہے:

(۱) انسان اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے لئے مقدر رزق کے حصول کے لئے محنت اور جدوجہد کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع کررکھا ہے، تم روے زمین پر چلو اور اللہ کا عطا کردہ رزق کھاؤ، اسی کے حضور میں تمہیں دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے‘‘۔ (سورۂ ملک: ۵۱)

(۲) حصولِ رزق کے معاملے میں بھی اور دیگر سرگرمیوں میں بھی تقوی اختیار کیا جائے، جو بندہ تقوی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر فکر وغم سے نکلنے کا راستہ نکالے گا اور ہر مشکل سے اس کو نجات دے گا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’اور جو تقوی اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے پریشانی سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا فرمائے گا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا‘‘۔ (سورۂ طلاق: ۲-۳)

(۳) اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق گھر والوں، رشتے داروں، جان پہچان کے لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا یہ رزق میں کشادگی کا اہم ترین ذریعہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کردی جائے اور اس کا ذکر واثر دیر پا رہے تو اس کو صلہ رحمی کرنی چاہئے''۔(صحیح بخاری:۲۰۶۷)

(۴) ضرورت مندوں، محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور ان پر خرچ کرنا، اللہ تعالیٰ انفاق کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور تم جو کچھ خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور عطا کرتا ہے، اور وہ سب رازقوں سے بہتر رزاق ہے''۔(سورۂ سبا:۳۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم، خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا''۔(صحیح بخاری:۵۳۵۲)

(۵) حصولِ رزق کے لیے تدابیر اختیار کرنے، اس راہ میں محنت وجدوجہد کرنے اور رازقِ حقیقی پر اعتماد وتوکل رکھنے کے ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ: ''اے اللہ مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما''۔(صحیح مسلم:۲۰۷۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ، میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں؛ فکر وغم سے، عاجزی اور سستی سے، بخل اور بزدلی سے، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے تسلط سے''۔(صحیح بخاری:۲۸۹۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلال روزی کی بھی دعا فرمایا کرتے تھے، اس لیے ہم جب حصولِ رزق کے لیے محنت کررہے ہوں تو یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہمارا ذریعۂ معاش حلال ہو، مال اگر حلال ہوگا تبھی اس میں برکت بھی ہوگی اور اگر مال حرام ہے، حرام طریقے سے کمایا گیا ہے، تو نہ اس میں برکت ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے منحوس اثرات ہماری روزمرہ کی زندگی پر، گھر پر اور بچوں پر بھی پڑیں گے۔ اس لیے ہمیں جہاں یہ یقین وایمان رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوقات کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے، وہیں اس کے حصول کے لیے حلال طریقے سے کوشش اور محنت بھی کرنی چاہیے اور ساتھ ہی اپنے مال و دولت میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ضرورت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں کا بھی ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

مباحثِ علمیہ:

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

صاحبزادہ ڈاکٹر قاری عبدالباسط محمد، مجمع عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم حي العزیزیۃ، جدہ

آج کل بعض حلقوں میں نمازِ تراویح اور قیام اللیل میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کا رواج ہوگیا ہے، عرب ممالک کی بیشتر مساجد میں یہ وبا عام ہو چکی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ تراویح کا یہ طریقہ حفاظتِ قرآن کے لیے سمِ قاتل سے کچھ کم نہیں، اس سے حفاظتِ قرآن کا ایک اہم ذریعہ متاثر ہو جائے گا؛ کیوں کہ حفاظت قرآن کے لیے دو طریقے اختیار کئے گئے ہیں، ایک سینہ، دوسرے صحیفہ۔ پہلا ذریعہ تو اسلام کے امتیازات میں سے ہے، حفاظتِ قرآن کا یہ بے نظیر اور عظیم الشان طریقہ پہلی قوموں میں نہیں پایا جاتا، آج امت تک اگر قرآن من وعن پہنچا ہے تو اس میں صحیفہ سے زیادہ سینہ کا دخل ہے۔ اسی لیے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ رَأْيَةِ الإِسْلَامِ“ (حافظِ قرآن درحقیقت اسلام کا علم بردار ہے“۔(التبیان ۵۵)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلا ذریعہ حفاظت قرآن سینہ بسینہ کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر حفظ قرآن میں کمی آتی ہے تو اسلام کی شان وشوکت میں کمی آجائے گی۔ پیشِ نظر مسئلہ ”نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا“ اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ وہ جائز ہے یا نہیں؛ حفاظتِ قرآن میں حد درجہ مخل ہے۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے حفظ قرآن سے بے اعتنائی پائی جاسکتی ہے، امت میں حفظِ قرآن کا جو رجحان پیدا ہوا ہے اس میں کمی آسکتی ہے اور حفاظ میں غفلت اور لاپرواہی پیدا ہوسکتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دینِ اسلام کا یہ امتیاز ملیا میٹ ہو جائے گا اور نعوذ باللہ قرآن سینوں سے ہٹ کر صرف صحیفوں تک محدود رہ جائے گا۔

مسئلہ کا ایک پہلو تو یہ ہے جو کہ دینی بھی ہے، معاشرتی بھی اور قومی بھی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آیا نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں کتاب وسنت میں کیا ہدایات ہیں؟ سلف صالحین نے کیا رہنمائی فرمائی ہے؟ کتبِ فقہ میں کیا حکم ہے؟ یہ ایک مفصل گفتگو ہے، جس کو ہم آئندہ صفحات میں حتی الامکان سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔

”نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا“ قرآن واحادیث کی نظر میں

(۱) قرآن میں ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (البقرة: ١٤٤)

اب آپ اپنا رخ مسجدِ حرام کی سمت کرلیں۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن مجید امام کے دائیں طرف رکھا ہوا ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد امام، دائیں جانب رکھے گئے قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس طور پر کہ پیچھے سے دیکھنے والا اچھی طرح یہ محسوس کرتا ہے کہ امام کا چہرہ بالکل سیدھے قبلہ کی طرف نہیں ہے بلکہ دائیں جانب رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف ہے۔ حالاں کہ استقبالِ قبلہ میں مرکزی کردار چہرے کے استقبال کا ہوتا ہے؛ کیوں کہ چہرہ ہی پورے انسانی ڈھانچے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگر چہرے کا استقبال نہ ہو تو بے رخی اور عدم دلچسپی کا احساس ہوتا ہے۔ جبکہ یہ توانابت اور کمالِ توجہ کا مقام ہے، یہ الگ بات ہے کہ صرف ڈھانچے اور سینے کا استقبال بھی کافی ہوسکتا ہے، لیکن کمالِ ادب یہی ہے کہ ایک ایک عضو کا استقبال ہو۔ چنانچہ کمال توجہ کی اِسی حد کو ملحوظ رکھ کر شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

يتوجه المصلي إلى القبلة أينما كان بجميع بدنه. (هداية الحائرين / صفة صلاة النبي: ٢٩٧)

مصلی جہاں کہیں بھی ہو استقبال قبلہ ضروری ہے، بدن کے ایک ایک عضو کے ساتھ۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِيَلِنِي مِنكُمْ أُولُو الأَحْلَامِ وَالنُّهٰى. (صحيح مسلم حديث: ٤٣٢)

نماز میں میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو سمجھدار اور صاحبِ علم ہیں۔

اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حدیث کا کوئی مطلب ہی نہیں بنے گا؛ اِس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان درحقیقت امت کے لیے یہ تعلیم تھی کہ امام کے پیچھے اور امام کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو صاحبِ علم اور صاحبِ فہم وذکاء ہیں؛ تاکہ نماز میں اگر کوئی بھول چوک ہوجائے تو یہ امام کو لقمہ دیں اور بھول چوک کی تلافی ہوسکے۔ اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے۔ الغرض آپ کا یہ فرمان اشارے اور کنایے میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی

ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي. (صحيح البخاري حديث: ٦٣١)

اس طرح نماز پڑھو جیسے تم لوگ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

دورِ نبوی کی ۲۳؍ سالہ زندگی میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ علیہ السلام نے یا آپ علیہ السلام کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھا ہو۔ حتی کہ ابتدائی دور میں تو نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت بھی تھی، لیکن اس دور میں بھی دیکھ کر پڑھنا ثابت نہیں۔

(۴) ارشادِ نبوی ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِيْنَ. (سنن أبي داود حديث: ٤٦٠٧)

میری سنت (میرے طریقے) کو اور خلفاء راشدین کی سنت (کے طریقے) کو لازم پکڑو۔

عہدِ خلفاء راشدینؓ میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اُن حضرات نے نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کی اجازت دی ہے، البتہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ممانعت ضرور ثابت ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رضي الله عنه أَن يَؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ، وَنَهَانَا أَن يَؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ. (كتاب المصاحف / هل يؤم القرآن في المصحف: ١٨٩)

ہمیں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کرے، اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے"۔

(۵) قیام کی حالت میں مصلی کے لیے حکم ہے کہ نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہو؛ کیوں کہ اس سے دل جمعی پیدا ہوتی ہے، اور خشوع وخضوع کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ دیکھ کر قرآن پڑھنے کی صورت میں نگاہ یقیناً قرآن مجید کے صفحات وحروف پر ہوگی، جس سے نماز کا ایک اہم ادب فوت ہو جائے گا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قال شريك القاضي: ينظر في حال قيامه إلىٰ موضع سجوده، كما

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیام کی حالت میں مصلی کی نظر سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہئے، جمہور

قال جمهور الجماعة؛ لأنه أبلغ في الخضوع وآكد في الخشوع وقد ورد به الحديث. (تفسير ابن كثير / البقرة: ١٤٤)

نے یہی فرمایا ہے؛ اس لیے کہ یہ خشوع وخضوع کی اعلیٰ ترین کیفیت ہے، اوراس سلسلے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں لکھا ہے:

ينبغي للمصلي إذا قام في صلاته أن يرمي ببصره إلىٰ موضع سجوده، وهو قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه. (المؤطا / باب وضع اليمين على اليسار حديث: ٢٩١)

مصلی جب قیام کی حالت میں ہو چاہئے کہ وہ اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے،اوریہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں لکھا:

وَكَانَ إِذَا صَلّٰى طَأْطَأَ رَأْسَهُ وَرَمٰى بِبَصَرِهِ نَحْوَ الْأَرْضِ. (أصل صفة صلاة النبي ﷺ: ٢٣٠/١)

جب آپ نماز پڑھتے تو سر کو جھکائے رکھتے اور نگاہ کو زمین کی طرف لگائے رکھتے تھے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كانوا يستحبون أن ينظر الرجل في صلاته إلىٰ موضع سجوده. (تعظيم قدر الصلاة ١٩٢/١)

مستحب یہ ہے کہ آدمی نماز میں اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے۔

حدیث میں ہے:

فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا؛ فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِيْ صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ. (سنن الترمذي حديث: ٢٨٦٣، المستدرك للحاكم حديث: ٨٦٣)

جب نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر توجہ نہ کرو؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں اپنا چہرہ بندہ کے چہرہ کی طرف اس وقت تک کئے رکھتے ہیں جب تک بندہ اپنا رخ نہیں پھیرتا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْکَعْبَۃَ مَا خَلَفَ بَصَرُہُ مَوْضِعَ سُجُوْدِہٖ حَتّٰی خَرَجَ مِنْھَا. (المستدرك للحاكم رقم: ۱۷۶۱)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ سے نہیں اٹھائی یہاں تک کہ آپؐ کعبہ سے باہر تشریف لے آئے۔

(۶) نماز پڑھتے ہوئے سکون وطمانینت اور خشوع وخضوع کا حکم ہے، قرآن دیکھ کر پڑھنے میں وہ سکون وطمانینت اور خشوع وخضوع نہیں رہتا؛ کیوں کہ ساری توجہ قرآن پر ہوتی ہے۔ قرآن کھولنے، بند کرنے اور اوراق پلٹنے میں کہاں خشوع پیدا ہوسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ يَنْبَغِي أَن يَّكُوْنَ فِي الْبَيْتِ شَيْئٌ يُشْغِلُ الْمُصَلِّيَ. (سنن أبي داؤد حديث: ۲۰۳۰، مسند أحمد حديث: ۱۶۶۳۶)

گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو مشغول کرتی ہو۔

(۷) یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا حفاظتِ قرآن کے لیے سخت مضر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا. (صحيح البخاري حديث: ۵۰۳۳)

قرآن کی نگہداشت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً قرآن کریم رخصت ہونے اور سینوں سے نکل جانے میں اونٹ کے اپنے بندھن سے بھاگنے اور رخصت ہوجانے سے زیادہ تیز ہے۔

’’نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا‘‘ اقوال سلف کی نظر میں

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ’’کتاب المصاحف‘‘ میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے کے حوالے سے ایک باب قائم کیا ہے: ’’هل يؤم القرآن في المصحف‘‘ جس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے مختلف آثار نقل کئے ہیں، اس کے بعد ’’وقد رخص في الإمامة في المصحف‘‘ کا عنوان لگا کر ان حضرات کے آثار نقل کئے ہیں جنہوں نے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ امام ابوداؤد نے ان کو پہلے ذکر کیا ہے جن آثار میں ممانعت ہے اور جن آثار میں اجازت ہے انہیں بعد میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ممانعت اور عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور پھر ’’وقد رُخص‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت اگر ہے تو وہ عمومی نہیں ہے؛ بلکہ بوقتِ مجبوری

ہے۔ذیل میں مذکورہ باب سے چند اہم آثار کو نقل کردینا استفادے سے خالی نہیں۔

(۱) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کریں اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے:

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قال: نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرُ رضي الله عنه أَن يَّؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ وَنَهَانَا أَن يَّؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ“.

(۲) قتادہ، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے مصلی کو کچھ یاد ہے، تو وہی بار بار پڑھے، لیکن قرآن دیکھ کر نہ پڑھے۔ ”عن قتادة عن ابن المسيب قال: إِذَا كَانَ مَعَهُ مَا يَقُوْمُ بِهِ لَيْلَهُ رَدَّدَهُ وَلَا يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ“.

(۳) لیث، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے، اس وجہ سے کہ اس میں اہلِ کتاب سے تشبہ ہے۔ ”عن ليث عن مجاهد أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَّتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ يَعْنِي أَنْ يَّؤُمَّهُمْ فِي الْمُصْحَفِ“.

(۴) اعمش، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اہلِ علم قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو سخت ناپسند کرتے تھے؛ کیوں کہ اس میں اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ ”عن الأعمش عن ابراهيم قال: كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ أَنْ يَّؤُمَّ الرَّجُلُ فِي الْمُصْحَفِ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً أَن يَّتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ“.

اس کے علاوہ بھی اور بہت سے آثار امام ابوداؤد نے نقل کئے ہیں، مزید تفصیل کے لیے کتاب المصاحف (۱۸۹-۱۹۱) کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۵) خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی رمضان کے مہینے میں لوگوں کو نماز پڑھائے اور قرأت، قرآن میں دیکھ کر کرے اور فرماتے تھے کہ یہ اہلِ کتاب کا عمل ہے: ”عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَانَ يَكْرَهُ أَن يَّؤُمَّ الرَّجُلُ النَّاسَ بِاللَّيْلِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْمُصْحَفِ قَالَ هُوَ مِنْ فِعْلِ أَهْلِ الْكِتَابِ. (تاريخ: ۱۲۰/۹)

معلوم ہوا کہ اکثر اہلِ علم نے اس کو باطل گردانا ہے۔ بعض علماء نے اگر کچھ نرمی برتی بھی ہے تو بلاضرورتِ شدیدہ کے جائز کسی نے نہیں کہا ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إن هذا الصنيع مكروه بلاخلاف. نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔

(بدائع الصنائع ۱۳۳/۲)

پھر بھی چوں کہ سلف میں سے بعض نے اجازت دی ہے (قطع نظر اس کے کہ وہ اجازت ضرورت شدیدہ کی وجہ سے ہے یا بلاضرورت بھی اجازت ہے) اس لیے کچھ لوگ جواز کے قائل ہوئے ہیں اور استدلال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل پیش کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے:
"وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ". (صحيح البخاري / باب إمامة العبد والمولى)
"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام ذکوان قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتے تھے"۔ یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح ہے: "كَانَ يَؤُمُّ عَائِشَةَ عَبْدٌ يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ". (حديث: ٧٢٩٣) "سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام ذکوان نماز پڑھاتے تھے اور وہ قرآن دیکھ کر قراءت کرتے تھے"۔

اس اثر کے متعلق علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "وما ذكر عن ذكوان حادثة عين لا عموم لها". (فتح الرحمن: ١٢٤) "اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ذکوان کی امامت کا جو واقعہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک جزوی اور خصوصی واقعہ ہے عمومی نہیں ہے"۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وأما حديث ذكوان فيحتمل أن عائشة ومن كان من أهل الفتوى من الصحابة لم يعلموا بذلك وهذا هو الظاهر بدليل أن هذا الصنيع مكروه بلاخلاف، ولو علموا بذلك لمكنوه من عمل المكروه في جميع شهر رمضان من غير حاجة، ويحتمل أن يكون قول الراوي كان يؤم الناس في شهر رمضان، وكان يقرأ من المصحف إخبارا عن حالتين مختلفين أي كان يؤم الناس في رمضان، وكان يقرأ من المصحف في غير حالة الصلاة.

(بدائع الصنائع ١٣٣/٢-١٣٤)

سیدنا ذکوان والی حدیث میں احتمال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کو معلوم نہ ہوا ہو کہ وہ دیکھ کر پڑھ رہے ہیں، اور یہی مناسب بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ (نماز میں) قرآن دیکھ کر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ اگر انھیں اس حالت کا پتہ ہوتا تو ہرگز ایک مکروہ فعل کی اجازت نہ دیتے وہ بھی پورے مہینے بلاضرورت کے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا یہ قول "کہ ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے" دو الگ الگ حالتوں کی خبر دینا ہے، یعنی ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے، اور نماز سے باہر قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ راوی کا یہ قول کہ ''وہ قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے'' یہ نماز کی حالت کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ راوی نے اس طرح سے ذکوان کا تعارف کرایا ہے کہ وہ ناظرہ خواں تھے۔

اسی طرح کی بات علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

أثر ذكوان إن صح فهو محمول على أنه كان يقرأ من المصحف قبل شروعه في الصلاة أي ينظر فيه ويتلقن منه ثم يقوم فيصلي، وقيل ما دل فإنه كان يفعل بين كل شفعين فيحفظ مقدار ما يقرأ من الركعتين، فظن الراوي أنه كان يقرأ من المصحف. (البناية ٢/٤٠٥)

اس اثر کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس بات پر محمول ہوگا کہ ذکوان نماز شروع کرنے سے پہلے قرآن دیکھتے تھے، پھر ذہن نشین کر کے نماز پڑھاتے تھے، ذکوان ہر دو رکعت کے بعد یہ عمل کرتے، اور اگلی دو رکعت میں جتنا پڑھنا ہوتا وہ یاد کر لیتے۔ اسی کو راوی نے اس طرح نقل کر دیا کہ وہ قرآن دیکھ کر قراءت کرتے تھے۔

علامہ کاسانی اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما کی بات کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''التلخیص الحبیر'' میں اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الأوطار'' میں ذکر کیا ہے اس اثر میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی بات ہے ہی نہیں:

عن ابن أبي مليكة أنهم كانوا يأتون عائشة بأعلى الوادي هو وعبيد بن عمير والمسور بن مخرمة وناس كثير فيؤمهم أبو عمر ومولى عائشة، وأبو عمرو غلامها حينئذ لم يعتق.

(التلخيص الحبير ٢/١١٠، نيل الأوطار / باب إمامة العبد والأعمى والمولى: ٥٨٦)

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور عبید بن عمیر، مسور بن مخرمہ اور بہت سے لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے تھے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ابوعمرو سب کی امامت کرتے تھے، اور وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہوئے تھے۔

(جاری)

مقامِ ابراہیم: تاریخی وشرعی حیثیت

مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی اُستاذ دارالعلوم حیدرآباد

جلوہ گاہِ رحمتِ لامتناہی اور مرکزِ نزولِ وحی کا تذکرہ ہو اور ''حرمین شریفین'' کا مشاہداتی یا تصوراتی وجمالیاتی خاکہ ذہنوں میں ابھر نہ جائے، اسلامی جذبات واحساسات کے حوالے سے ناممکنات میں سے ہے، حرمین شریفین کا ہر پھول ایک ایسا شگفتہ پھول ہے جسے سر کا تاج بنا کر فخر کیا جائے، تب بھی شاید اس کی عظمت اور اس کے تقدس کا حق ادا نہ ہو سکے، اور کیسے ہو سکتا ہے، ایک تجلی گاہِ ربوبیت ہے؛ جب کہ دوسرا تجلی گاہِ عبدیت ہے، کون ہے اور کس کی مجال ہے کہ وہ حقِ مقام الوہیت اور حقِ مقام عبدیت ورسالت کی ادائیگی کا دعویٰ کرنے کی جرأت کر سکے، ایک دنیا کے بت کدوں میں پہلا خانۂ خدا ہے؛ جب کہ دوسرا ہجرت گاہ سرکارِ دوعالم کا حسنِ انتخاب۔

ہر وہ چیز جس کا تعلق حرمین شریفین سے ہو مسلمانوں کے نزدیک اس میں عزت واحترام کا مفہوم کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے؛ مکہ مکرمہ (زادہا اللہ شرفاً) کی عزت وحرمت، تقدس وتطہیر منجانب اللہ مقرر کردہ ہے؛ اسی لئے وہاں کے ذرات بھی سرمہ چشم بنائے جانے کے لائق ہیں۔

خانۂ خدا کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ''مقامِ ابراہیم'' ہے، ہمارے ایمان ویقین کا یہ اٹوٹ حصہ ہے کہ جیسے بیت اللہ، مقدس ومحترم ہے ویسے ہی ہر وہ چیز مقدس ومحترم ہے جس کا تعلق بیت اللہ شریف سے ہو، ذیل میں موضوع کی مناسبت سے ''مقامِ ابراہیم کی شرعی اور تاریخی حیثیت'' پیش کرنے کی ناتمام کوشش کی جارہی ہے؛ تاکہ وہ معلومات ہمارے ایمان ویقین میں مزید پختگی کا سبب بن سکیں۔

مقام ابراہیم سے واضح ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جس کا تعلق ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے، دینِ اسلام میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں، جو حضرت کی یادگار ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کو ''دینِ حنیف'' بھی کہا جاتا ہے، حنیف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاص لقب ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار چیزوں میں سے ایک مقامِ ابراہیم بھی ہے۔

مقامِ ابراہیم کیا چیز ہے

کھڑے آدمی کے پاؤں جس جگہ پر ہوں اس کو عربی میں ''مقام'' کہتے ہیں اور یہاں مقامِ ابراہیم سے مراد وہ مبارک پتھر ہے، جس کو حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ کی تعمیر کے وقت اٹھا کر لائے تھے؛ تاکہ خلیل اللہ اس پر کھڑے ہوکر خانہ کعبہ کی دیواریں اوپر اٹھائیں۔

بعض روایات میں ہے کہ تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ یہ پتھر خود بخود بلند ہوجاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہوجاتا تھا، اور یہی وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھڑے ہوکر حج کا اعلان کیا تھا۔ (شفاء الغرام باخبار البلد الحرام/ الباب السادس عشر ۱/۲۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مقام ابراہیم کی فضیلت

مقام ابراہیم کی فضیلت کا ثبوت قرآن وحدیث دونوں سے ہے:

(۱) قرآن میں ہے:

فِيهِ اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ مَقَامُ اِبْرَاهِيمَ. (آل عمران: ۹۷) اس میں کچھ تشریعی اور کچھ تکوینی کھلی نشانیاں ہیں۔

من جملہ اُن نشانیوں کے ایک مقام ابراہیم (نشانی) ہے، یعنی خانۂ کعبہ کی خصوصیات اور فضائل میں سے ایک ''مقامِ ابراہیم'' ہے؛ اسی لئے قرآن کریم نے اس کو مستقل طور پر علیحدہ بیان کیا ہے۔

(۲) سب سے بڑا شرف اس مقام کو یہ حاصل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس پتھر کے قریب نماز کی جگہ بنالیں؛ چنانچہ روایت میں ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین چیزوں میں اللہ نے میری تائید فرمائی ہے (۱) مقام ابراہیم میں (۲) حجاب میں (۳) اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔ (مسلم شریف/ باب من فضائل عمر رقم الحدیث: ۲۳۹۹)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ کاش یہاں نماز پڑھنے کا حکم ہوتا، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ اُتاری؛ اسی لئے اب ہر طواف کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ سات چکر

پورے کرنے کے بعد وہاں دو رکعت نماز پڑھے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیت اللہ کے پاس پہنچے تو آں جناب نے حجر اسود کا بوسہ لیا پھر تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں عام چال چلے، پھر مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور آیت: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ تلاوت فرمائی اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیم اور بیت اللہ آپ کے سامنے تھے۔ (صحیح مسلم/ باب حجۃ النبی ﷺ رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

(۳) جنت کا یاقوت

اس پتھر کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ یہ جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا ارشاد ہے:

حجر اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں؛ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی چمک اور نورانیت کو ختم نہ کیا ہوتا تو ان کی چمک سے مشرق و مغرب کے درمیان سب کچھ روشن ہو جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۷۸)

مقام ابراہیم واقعی جنت کا پتھر ہے؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر اس سلسلے میں بحث کی ہے، اس کی شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' میں ذرا تفصیل سے ہے: مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب لکھتے ہیں:

صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں (حجر اسود اور مقام ابراہیم) دراصل جنت کے پتھر ہیں، جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو حکمت الٰہی نے چاہا کہ ان پر دنیوی زندگی کے احکامات مرتب ہوں؛ کیونکہ جگہ کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آتی ہے ایک اقلیم کا آدمی دوسری اقلیم میں جا بستا ہے تو رنگ، مزاج اور قد وغیرہ میں تبدیلی آجاتی ہے؛ چنانچہ زمین میں اتارنے کے بعد ان کی روشنی مٹا دی گئی اور وہ زمین کے پتھروں جیسے نظر آنے لگے، اس صورت میں ان کی فضیلت کی وجہ ان کا جنّتی پتھر ہونا ہے، اور ضعیف قول یہ ہے کہ یہ زمین ہی کے پتھر ہیں، اور حدیث فضیلت کا پیرایہ بیان ہے، شروح مشکاۃ: مرقات و طیبی میں یہ قول ذکر کیا گیا ہے، مگر کوئی دلیل ذکر نہیں کی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے حضرت علیؓ کے عالی خاندان صاحب زادے

حضرت محمد بن الحنفیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ حجر اسود زمینی پتھر ہے، مگر مجھے یہ قول تلاش کے باوجود نہیں ملا، اس صورت میں فضیلت کا راز یہ ہے کہ ان پتھروں کے ساتھ قوت مثالیہ یعنی ایک روحانیت مل گئی ہے؛ کیونکہ ملا ئکہ کی توجہ ان کی شان بلند کرنے کی طرف مبذول رہتی ہے، اور ملاء اعلیٰ کی اور نیک انسانوں کی خصوصی توجہات ان کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، اس لئے یہ پتھر جنّتی پتھر یعنی متبرک ہوگئے ہیں، جیسے ایک چیز عرصہ تک کسی نیک آدمی کے استعمال میں رہتی ہے تو وہ متبرک ہوجاتی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۲۴۳/۴ زم زم پبلیشرز کراچی)

جنّتی پتھر ہونا یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، زمینی پتھر ہونا محمد بن حنفیہ کا قول ہے، ابن عمرو صحابی ہیں، اور محمد بن حنفیہؒ تابعی ہیں ان کا قول حدیث کے ہم پلہ نہیں ہوسکتا: اس لئے مقامِ ابراہیم کا جنّتی پتھر ہونا راجح ہے؛ چنانچہ علامہ ازرقی (م: نحو ۲۵۰ھ) نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے: "أنزِلَ الركنُ والمَقَامُ مع آدم عليه السلام لَيلَةَ نَزَلَ بينَ الركنِ والمقامِ". (أخبار مكة: ۱/ ۳۲۵ المكتبة الشاملة)

(۴) قبولیتِ دعا کی جگہ

تاریخِ مکہ مکرمہ میں ہے:

مقام ابراہیمؑ وہ جگہ ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، حضرت حسن بصری اور دیگر علماء سے منقول ہے کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے دعا قبول ہوتی ہے۔ (رسالۃ الحسن البصری ۲/ ۲۹۱)

حریم قدس میں دے حاضری بہ قلبِ صمیم
دعائیں مانگ بروئے مقامِ ابراہیم

(تاریخ مکۃ المکرّمۃ: ۶۷، مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ ۲۰۰۲ء)

(۵) حضرت ابراہیم کے پاؤں کے نشانات

مقام ابراہیم کی پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اس میں حضرت کے پاؤں کے نشانات موجود ہیں، حضرت ابراہیمؑ اس پتھر پر دومرتبہ چڑھے، ایک تعمیر کعبہ کے وقت، دوسرے اعلان حج کے وقت، اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو یہ شرف بخشا کہ اس پر حضرت کے پیروں کے نشانات باقی رہ گئے مٹے نہیں، ایسا اس لئے کیا گیا؛ تاکہ یہ ایک نشان اور یادگار بن جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيمَ﴾ (آل عمران: ۹۷) (أخبار مكة للأزرقي: ۱/ ۶۸)

چوں کہ یہ نشانی من جانب اللہ تھی، اس لئے باقی رہی، عرب کے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا، اس کی تائید اس شعر سے ہوتی ہے جو سیرت ابن ہشام میں ہے، شعر ابوطالب کا ہے:

وموطئ إبراهيم في الصخر رطبةٌ

على قدمية حافيًا غير ناعل

یعنی اُس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں پیروں کے نشانات تازہ ہیں، جن میں جوتی نہیں ہے؛ جسے مسلمانوں نے بھی دیکھا ہے۔(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۱/۲۷۳، المکتبۃ الشاملۃ)

کیا وہ نشانات اب بھی ہیں؟

ابن کثیرؒ (م: ۷۷۴ھ) نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت کے پیروں کی انگلیاں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا؛ لیکن لوگوں کے چھونے کی وجہ سے وہ نشان مٹ گیا، اور حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم تھا، اسے چھونے کا حکم نہیں تھا، اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم ایسے بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لیے جو نقصاندہ ہیں، وہ نشانات لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔(تفسیر ابن کثیر ۱/۴۱۷، المکتبۃ الشاملۃ)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نشانات مٹ گئے؛ لیکن مقام ابراہیم کا سعودی سے جو عکس شائع ہوا ہے، اس میں نشان دکھائی دیتا ہے، اور دیکھنے والے بھی بتاتے ہیں کہ نشانات اب تک موجود ہیں، اور یہی قرین قیاس بھی لگتا ہے، کیوں کہ مقام ابراہیم کو اللہ نے نشان اور یادگار بنایا ہے، یہ یادگار اسی وقت ہوگا جب کہ نشانات بدستور سابق باقی رہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے: ”وهو آية من آيات الله، ظهرت علىٰ سيدنا إبراهيم“. (حجة الله البالغة ۹۷/۲، قصة حجة الوداع، المكتبة الشاملة)

اور اس کے ثبوت پر مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيمَ﴾ (آل عمران: ۹۷) کے بارے میں حضرت مجاہد سے منقول ہے: ”أي قدمه في المقام آية بينة“ کہ مقام ابراہیم کے قدم واضح نشانی ہے۔(اخبار مکۃ فی قدیم الدہر وحدیثہ للفاکہی ۱/۴۵۰، المکتبۃ الشاملۃ)

(۲) علامہ فاکہی (۲۱۷-۲۷۵ھ) نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے

جس میں ہے: ”**فكان أثره فيه**“ کہ حضرت کے آثار اس میں ہیں۔(اخبار مکۃ ۱/۴۴۲)

(۳)علامہ فاکہیؒ نے ہی نشانات کے ثبوت پر عجّاج کے اشعار سے استدلال کیا ہے۔وہ اشعار یہ ہیں:

الحمدُ للّٰهِ العَليِّ الأعظَمِ

باني السماواتِ بِغَيرِ سُلَّمِ

ورَبِّ هَذَا الأثَرِ المُقَسَّمِ

مِنْ عَهْدِ إبراهيمَ لَمْ يُطَسَّمِ

(اخبار مكة للفاكهى ١/٤٥١)

دوسرے شعر میں حضرت ابراہیم کے انمٹ نشان قدم کے رب کی قسم کھائی گئی ہے۔

اور تقریباً مکہ کی تاریخ لکھنے والے سارے مصنفین نے نشانات کا تذکرہ کیا ہے؛ بلکہ اکثر کتابوں میں حضرت کے پاؤں کے نشانات کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے، چنانچہ ”**تاريخ مكة المكرمة قديمًا وحديثًا**“ میں ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی نے وہ عکس شائع کیا ہے، اس کتاب کا ایک اقتباس پڑھیے جس سے ثبوتِ اثر پر استدلال کرنا آسان ہے، لکھتے ہیں:

”حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں کے نشانات پتھر جیسی سخت چیز پر ظاہر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص ومؤمن بندہ کے لئے ہر چیز مسخر فرما دیتے ہیں، واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کے پاؤں مبارک سے بہت زیادہ مشابہ تھے، جیسا کہ ایک صحابی حضرت جہم بن حذیفہؓ جو کعبہ کی تعمیر قریش اور تعمیر ابن زبیر میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کے نشانات مقام ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں کے بہت مشابہ تھے“۔(تاریخ مکہ ۷۷)

تطبیق

ہاں اگر یہ کہہ لیا جائے کہ لوگوں کے چھونے کی وجہ سے صرف انگلیوں کے نشانات مٹ گئے اور قدم کے نشانات باقی ہیں تو ساری روایتوں میں تطبیق ہو جائے گی اور یہی قرین قیاس بھی ہے، کیوں کہ مقام ابراہیم کو بہت بعد میں فریم وغیرہ میں محفوظ کیا گیا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

مقام ابراہیم دنیا میں کب آیا؟

اخبار مکۃ للفاکہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت آدمؑ دنیا میں اتارے گئے، اسی وقت حجر اسود اور وہ پتھر جو بعد میں ''مقام ابراہیم'' کہلایا دونوں اتارے گئے، ابن عباسؓ کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ذریعہ حضرت آدم کو سکون بخشا، یہ دونوں شروع میں بالکل چمک دار تھے، حضرت آدمؑ نے حجر اسود کو لیا اور اپنے سے چمٹا لیا؛ تاکہ انسیت پیدا ہو۔ (اخبار مکۃ ۱/۴۴۴ رقم: ۹۷۰)

قیام قیامت کے بعد مقام ابراہیم کہاں جائے گا؟

چوں کہ مقام ابراہیم ایک جنّتی پتھر ہے،؛ لہٰذا دنیا کے خاتمہ کے بعد یہ اور حجر اسود دونوں جنت میں چلے جائیں گے، اور کل قیامت کے روز یہ دونوں پتھر ان لوگوں کے حق میں گواہی بھی دیں گے، جنہوں نے ان کا حق ادا کیا ہوگا:

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة وإليها يصيران''. (أخبار مكة للفاكهي ۱/۴۴۳ رقم: ۹۶۹)

عن مجاهد أنه قال: يأتي يوم القيامة الركن والمقام، كل واحد منهما مثل أبي قبيس، يشهدان لمن وافاهما بالموافاة''. (أخبار مكة للأزرقي ۱/۳۲۶)

مقام ابراہیم تلاش کرنے والا

سرکار دوعالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں ''الیاس بن مضر'' کا نام آتا ہے، ان کے بارے میں آتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مقامِ ابراہیم (اس وقت اس کا نام مقامِ ابراہیم نہیں تھا) دریافت کیا جو طوفانِ نوح کے وقت بیت اللہ کے ساتھ غرق ہو گیا تھا، الیاس بن مضر نے اس کو بیت اللہ کے زاویہ میں رکھا۔

فكان إلياس أول من ظفر به فوضعه في زاوية البيت. (حياة الحيوان / البدنة: ۱/۱۶۸ المكتبة الشاملة)

لیکن صاحب السیرۃ الحلبیۃ (م: ۱۰۴۴ھ) نے اس قول کو حیاۃ الحیوان کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اخیر میں فلیتأمل لکھا ہے، یعنی مذکورہ بات قابلِ غور ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ ۱/۲۷ المکتبۃ الشاملۃ) (جاری) ❑

جس کا رب اُس کا سب

مولانا مفتی تنظیم عالم قاسمی استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

آج تقریبا ہر انسان مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار ہے، کوئی اپنی مختلف بیماریوں کی وجہ سے ہاسپٹلوں اور مختلف ڈاکٹروں کا طواف کرتا نظر آتا ہے اور وہ اس میں اتنا پریشان ہے کہ دن کا چین اور رات کا سکون ختم ہوگیا ہے۔ آدمی خود صحیح ہوتا ہے تو اس کے افراد خانہ میں سے کوئی کسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے جس کے پیچھے پورے گھر کے لوگوں کو اپنی نیندیں اور راحتیں قربان کردینی پڑتی ہیں۔ وقت، پیسہ اور آرام سب کچھ لگانے کے باوجود بیماری سے نجات نہیں۔ بعض ایسے ہیں جو رزق کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ملازمت میں دوام اور استقلال نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ پھرنے میں زندگی گذر جاتی ہے مگر کہیں چین کا سانس لینا نصیب نہیں ہوتا اور کسی نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا ہے تو اس میں خاطر خواہ نفع نہیں اور اگر نفع بھی ہے تو اس میں برکت نہیں، آمدنی بہت ہے مگر فقر واحتیاج ختم نہیں ہوتا اور کچھ ایسے بھی افراد ہیں جو ان الجھنوں میں گرفتار تو نہیں مگر بیوی یا خاندان کے افراد سے پریشان ہیں یا پڑوسیوں کی عداوت نے انہیں بے چین کر دیا ہے کہ راحت کے سارے وسائل کے باوجود قلبی سکون میسر نہیں اور کچھ لوگ عدالتوں میں پانی کی طرح پیسے بہا رہے ہیں مگر انصاف ملنے کی کوئی امید نہیں، وکیل اور عدالت کے چکر نے دولت سے لے کر دماغی اور جسمانی قوت سب کچھ چھین لیا ہے، پریشانی کی نوعیت کچھ بھی ہو مگر مختلف اعتبار سے لوگ مصائب ومشکلات میں گھرے ہوئے ہیں اور ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق تدابیر بھی اختیار کرتے ہیں، مختلف افراد سے تعاون اور مدد لیتے ہیں تاہم مشکلات کے سیلاب کی منتہا نظر نہیں آتی، زندگی کا ہر لمحہ کانٹا بن کر جسم کو چھلنی کر رہا ہے۔

ایسے وقت انسان کو تنہائی میں بیٹھ کر اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہئے کیوں کہ جب خدا ناراض ہوتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت آدمی کو پناہ نہیں دے سکتی۔ آج مادیت کے غلبے نے بندوں کو اللہ سے غافل کر دیا ہے،

بڑے بڑے گناہوں میں ڈوب کر بھی جسم پر لرزہ طاری نہیں ہوتا، نافرمانی پر نافرمانی کی جارہی ہے مگر آخرت اور عنداللہ جواب دہی کا احساس تک نہیں، یہی وہ بنیادی چیز ہے جس نے اللہ کے غضب کو للکارا ہے اور پریشانیوں کے دہانے کھل گئے ہیں۔ اسلام یقین دلاتا ہے کہ اللہ کے در کو چھوڑ کر کہیں سکون نہیں مل سکتا، اگر دنیا میں خوش گوار زندگی کسی کو مطلوب ہو تو اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ انسان اپنے روٹھے رب کو راضی کرلے، اس کی بندگی کو قبول کرے، اسی کے سامنے اپنے سر کو جھکائے، اسی کو اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھے، ہزار پریشانیاں ہوں تو بھی اس سے اپنا رخ نہ بدلے، یہ ایمان اور پاکیزہ جذبہ دل میں پیدا ہوگا تو اللہ خوش ہوگا اور پھر اس کی محبتیں اور عنایتیں حاصل ہوں گی اور جس کو اس کی ادنی توجہ حاصل ہوگئی اسے کوئی پریشان نہیں کرسکتا۔ یہی مفہوم ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جس نے اپنے افکار کو آخرت کی فکر میں سمو دیا اللہ اس کے تمام غموں کے لئے کافی ہوجائے گا اور جس کو دنیوی افکار وخیالات نے جکڑ لیا اللہ کو اس کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں خواہ وہ کسی بھی وادی میں ہلاک ہوجائے۔ (سنن ابن ماجہ ۲۵۷)

ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک بندہ ہر چیز کو مرضی الٰہی کے حوالے کرے، دنیا کو زندگی کا مقصد نہ بنائے۔ اگر کوئی شخص اپنے سارے تفکرات کو دنیا پر مرکوز کردے اور اسی میں ہمیشہ مصروف ہوجائے تو اللہ تعالی کی مدد اس شخص سے اٹھ جاتی ہے اور رحمت خداوندی کی نظر کرم اس کی طرف نہیں ہوتی، اس طرح وہ دنیا وآخرت دونوں جگہ خسران اور نقصان میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی اپنے بندوں سے کہتا ہے: اے میرے بندے! میری عبادت کے لئے وقت کو خالی کر میں تیرے سینے کو غنا سے بھردوں گا اور تیری محتاجگی کو دور کردوں گا اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو میں تجھے حد سے زیادہ مشغول کردوں گا اور تیرا احتیاج بھی ختم نہیں ہوگا۔ (مسند احمد حدیث: ۸۶۹۶)

دنیا حاصل کرنا اور بہتر سے بہتر زندگی کی تلاش ممنوع نہیں ہے البتہ دنیا میں اپنے آپ کو اتنا مصروف کردینا جس کا سرا خدا فراموشی سے مل جائے اور جو انسان کو آخرت سے غافل کردے یہ نہایت ہی مذموم اور ناپسندیدہ ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ اسے ہمیشہ دنیا میں ہی رہنا ہے اسی لئے وہ اس کو ترجیح دے رہا ہے حشر ونشر اور جزا وسزا پر اسے یقین نہیں، جب کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہر عمل میں آخرت کو پیش نظر رکھا جائے، خدا کی رضا اور اس کی پسند کو ہر چیز پر مقدم رکھا جائے، اس لئے کہ اس کی خوشنودی ہی ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑا سرمایہ ہے، اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی مضمر ہے، اللہ جس کو مل گیا اسے گویا ساری نعمتیں مل گئیں۔

ماضی قریب کے معروف صاحب نظر عالم دین مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس سلسلے میں ایک بہت دلچسپ اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے جس میں قارئین کے لئے ہزار عبرتیں پوشیدہ ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: ''ایک بادشاہ نے بہت موج میں آکر رعیت سے کہا کہ آج جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا وہ چیز اس کی ہوجائے گی۔ بس کیا پوچھنا، بن آئی لوگوں کی وہاں جو امراء وزراء غلام باندیاں اور خواص موجود تھے جس کو جو چیز پسند آئی اس نے اس پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے بادشاہ کے تاج پر ہاتھ رکھا، کسی نے تخت پر ہاتھ رکھا، کسی نے فانوس پر، غرض کہ جو جس پر ہاتھ رکھتا گیا وہ چیز اس کی ہوتی گئی۔ ایک غلام کھڑا ہوا تھا اس نے کچھ نہ کہا، بت بنا کھڑا رہا، بادشاہ کی نظر جب اس پر پڑی تو اس نے کہا کیا تم کو یقین نہیں آیا، دیکھتے نہیں کہ جس نے جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا وہ اس کا مالک ہوگیا۔ اس نے جواب دیا کیا واقعی ایسی ہی بات ہے، بادشاہ نے کہا اللہ کے بندے! کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے، کیا قسم کھانے تحریر لکھنے کی ضرورت ہے، اس نے کہا کہ یہ تو ہیں بے وقوف، مجھے اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے، کسی نے تاج لیا، کسی نے تخت، کسی نے موتی لیا تو ہیرا نہیں ملا، کسی نے ہیرا لیا تو موتی نہیں ملا، کسی نے گھوڑا لیا تو پالکی سے محروم ہوگیا، پالکی لے لی تو گھوڑا نہیں آیا، یہ کہ کر اس نے بادشاہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں نے تو اس کو لیا جس نے بادشاہ کو لیا اس کو تخت بھی ملا تاج بھی، گھوڑا بھی ملا طاؤس بھی، گھر بھی ملا گھر کا سامان بھی، اس کو عزت بھی ملی اور طاقت بھی''۔ (خواتین اور دین کی خدمت، صفحہ: ۸۶)

اس واقعہ سے پیغام ملتا ہے کہ انسان اگر ہمیشہ اپنے رب کو راضی رکھے اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی سے مربوط رہے تو دنیا میں کبھی مشکلات کا سامنا نہیں ہوگا، ساری مصیبتوں اور پریشانیوں کا ایک ہی علاج ہے کہ اللہ سے تعلق کو مضبوط کرلیا جائے اور اس کے حضور صدق دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرلی جائے اس کے بعد کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آئے گی، وہ تنہا بندوں کی تمام ضرورت کی تکمیل کے لئے کافی ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، ساری کائنات اسی کے اشارے پر گردش کررہی ہے، اس سے کوئی سوال کرنے والا نہیں، مالداری اور فقیری، عزت اور ذلت، صحت اور بیماری سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ تعالی نے اپنے پیغمبرؐ کے ذریعے اس بات کا صاف اعلان فرمادیا: تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران ۲۶)

جب ساری چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں تو ہم اسی سے دل کیوں نہ لگائیں کہ وہ ساری ضرورتوں کو

پوری کردے اور پھر ہمیں کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے؛ اس لئے کہ وہ مہربان ذات ہے، بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور واپس کردے ایسا نہیں ہوسکتا، وہ مشرکوں اور کافروں کو بھی کھلاتا اور پلاتا ہے تو کیا اہل ایمان اس کی رحمت سے محروم رہیں گے؟ اس ایمان ویقین کی ضرورت ہے جس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے اور جس کی مثالیں صحابۂ کرام اور اسلاف کی سیرت میں کثرت سے موجود ہیں ۔شہر حیدرآباد دکن ماضی میں بزرگوں کا مسکن رہا ہے، جن میں حضرت مسکین شاہ صاحبؒ (متوفی ۱۳۱۴ھ) کا نام نمایاں ہے، وہ بڑے زاہد اور ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ نظام دکن میر محبوب علی خاں بھی ان کے نیاز مندوں میں شامل تھے۔ یہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بڑی عقیدت مندی کا اظہار کرتے تھے، اگر کبھی حضرت کو ذکر میں مشغول پاتے تو انتظار میں صحن میں ٹہلتے رہتے، جب مسکین شاہ صاحب فارغ ہوتے اور عرض کیا جاتا کہ نظام صاحب تشریف لائے ہیں تو اندر آنے کی اجازت ہوتی تھوڑی دیر کے بعد کہہ دیتے کہ اب جایئے آپ کا حرج ہوگا۔ ایک دن وہ جاگیر کا پروانہ لے کر حاضر ہوئے اور قبول کرنے کی درخواست کی، تاکہ حضرت کے ذاتی اخراجات میں اس سے کچھ مدد مل سکے، شاہ صاحبؒ نے جاگیر کے پرزوں پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا سورج جہاں سے نکلتا ہے وہاں سے لے کر اس جگہ تک جہاں ڈوبتا ہے میری جاگیر ہے، وہاں سے مجھے رزق ملتا ہے اب اس سے زیادہ آپ دے سکیں تو دے دیجئے۔ (صحبتے با اہل دل ۲۳۲)

یعنی میں اپنے اس رب کی عبادت کرتا ہوں جس کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوی ہے بلکہ دنیا کی ساری چیزیں اسی کے اختیار میں ہیں، اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی وجہ سے ایسا ہے جیسا کہ پوری دنیا پر میری حکومت ہو کیوں کہ جو خدا کی عبادت کرتا ہے پوری دنیا اس کی اطاعت کرتی ہے، لہٰذا اِن ساری چیزوں پر گویا میری جاگیر ہے جہاں سے میری ساری ضرورتیں پوری ہورہی ہیں اور میرا خدا مجھے شکم سیر کررہا ہے اس لئے اس تھوڑی سی جاگیر کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح آج مسلمان اگر اپنے رب سے صلح کرلے اور اپنی مرضی کو اس کی مرضیات کے تابع کردے تو ساری دنیا اس کی اطاعت کرنے لگے گی اور حالات خود بخود بہتر ہوجائیں گے۔ پریشانیوں اور مشکلات کا نزول اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ انسان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے ان حالات میں حکمرانوں اور دشمنان اسلام کو گالیاں دینے کے بجائے خود اپنے عمل اور کردار کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے، اپنے ایمانی جذبہ کو تیز سے تیز تر کرنے اور خدا سے تعلق کو بڑھانے کی ضرورت ہے، ورنہ محض اپنی مظلومیت اور زندگی میں پیش آنے والے مصائب کا شور کرنے سے کیا حاصل؟ رحمت خداوندی کو متوجہ کئے بغیر ساری دنیا مل کر بھی انسان کو چین وسکون فراہم نہیں کرسکتی۔ ❍❖❍

منشیات کے رواج کے

بنیادی اَسباب ومحرکات

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اس وقت پوری دنیا میں منشیات کے استعمال کا جو عام رواج چل پڑا ہے، خاص طور سے نوجوان نسل جس بری طرح سے نشے کی لت میں مبتلا ہورہی ہے، وہ ہر صاحب فکر کے لئے بے حد تشویش ناک صورت حال ہے، تمام احتیاطی تدبیروں کے باوجود منشیات کے استعمال کی شرح میں کمی کے بجائے مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے، دولت کی ہوس نے سرمایہ داروں کو اتنا اندھا کردیا ہے کہ وہ مسلسل منشیات کے کاروبار کو مختلف خوش نما ٹائٹلوں کے ساتھ بڑھاوا دے کر نوجوانوں کو جسمانی واخلاقی، اقتصادی ومعاشرتی ہر اعتبار سے بدحالی کی آخری سطح تک پہنچانے کے درپے ہوچکے ہیں، مختلف خورد ونوش کی چیزوں (مثلاً چاکلیٹ وغیرہ) میں مخفی طور پر نشہ آور مادے شامل کرکے نوجوانوں کو ان کا عادی بنایا جاتا ہے اور اس طرح پھر ان کو منشیات کا خوگر کردیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں منشیات کی ہزاروں قسمیں وجود میں آگئی ہیں، اور مختلف ناموں سے دستیاب ہیں، صرف فرانس کے اعداد وشمار کے مطابق وہاں منشیات کی ۵۰۰/ سے زائد قسمیں پائی جاتی ہیں، اور سب میں مضر صحت وعقل اجزاء لازماً موجود ہیں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پہلے سے کہیں زیادہ آج محسوس کی جاسکتی ہے:

يَشْرَبُ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ، يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا. (نسائی رقم: ٥٦٦١)

میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے، لیکن اس کو شراب کا نام نہیں (بلکہ کوئی اور نام) دیں گے۔

معاشرے میں نشے کی لعنت عام ہونے کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ ذیل میں ان سے متعلق چند اہم امور کا جائزہ لیا جارہا ہے:

(۱) ایمانی جذبہ اور خوف خدا کی کمی

ہمارے سماج میں منشیات کی وباء عام ہونے کی سب سے پہلی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ایمانی جذبات کمزور اور سرد پڑ گئے ہیں، بے خوفی اور جرأت بڑھ گئی ہے، اللہ کا خوف رخصت ہو رہا ہے، موت کی یاد سے غفلت عام ہے، آخرت کی فکر اور بارگاہ رب العزت میں حاضری اور جواب دہی کا استحضار باقی نہیں رہا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گناہوں کی طرف لوگ سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان کی لگام ان کے نفس کے قبضے میں ہے، اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب انسان دین وشریعت کی لگام اپنے اوپر سے ہٹا دیتا ہے، تو پھر اللہ کی امان سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ کو پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ وہ ہلاکت کے کس کھڈ میں جا گرا، قرآن میں فرمایا جا رہا ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لاَ يَعْقِلُونَ، وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ، وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَ هُمْ مُعْرِضُونَ. (الانفال: ۲۲-۲۳)

بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے، اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو سننے کی توفیق دے دیتا؛ لیکن اب جب کہ ان میں بھلائی بھی نہیں ہے، اگر ان کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منھ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق اسی کے حصہ میں آتی ہے جس کے دل میں حق کی طلب ہو، اگر کسی کے دل میں حق کی طلب ہی نہ ہو اور وہ غفلت کی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہو اور نفس کا غلام بن چکا ہو، تو وہ حق سمجھنے سے محروم ہو جاتا ہے، اور سمجھ بھی لے تو اسے پلٹنے اور عمل خیر کی توفیق نہیں ملتی، بلکہ وہ بدستور اپنی مجرمانہ غفلتوں میں مبتلا رہتا ہے۔

اسی حقیقت کو اگلی آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ. (الانفال ۲۴)

جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔

یعنی جس کے دل میں حق کی طلب ہوتی ہے اگر اسے گناہ کا تقاضا ہو، مگر وہ طالب حق کی طرح اللہ سے طالب مدد ہوجائے تو اللہ اسکے اور گناہ کے درمیان حائل ہوجاتے ہیں اور اس کے قدم گناہ کی راہ پر چلنے سے محفوظ ہوجاتے ہیں، اور جس کے دل میں حق کی طلب ہی نہ ہو اور وہ اللہ کی طرف رجوع بھی نہ ہوتا ہو وہ توفیق خیر سے محروم اور گناہوں میں غرق ہوتا چلا جاتا ہے۔

مزید فرمایا گیا:

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ. (الصف: ۵)

جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کردیا، اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو بندہ اللہ کے دین کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ اس کو توفیق سے نوازتا ہے، جو اللہ سے نصرت کا طالب ہوتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے، جو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک ایمانی جذبات کمزور رہیں گے، اور اللہ وآخرت کا خوف دلوں میں پیدا نہیں ہوگا، گناہ کے راستے سے واپسی نہیں ہوسکے گی، آج منشیات کے رواج عام کا بہت بنیادی سبب یہی ہے کہ امت ایمانی قوت سے محروم اور بارگاہ الٰہی میں بازپرس کی حقیقت سے بے فکری اور بے خوفی میں مبتلا ہے۔

(۲) اخلاقی تعلیم وتربیت کا فقدان

اولاد کو بنانے یا بگاڑنے میں سب سے نمایاں کردار گھر کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا ہوتا ہے، اگر والدین یا ذمہ داران اپنی اولاد کی ٹھوس اور پختہ دینی تعلیم اور اعلیٰ اخلاقی تربیت کی فکر کریں گے، ان کے شب وروز کی تمام مشغولیات کی حکمت کے ساتھ نگہ داشت رکھیں گے، ان کو منکرات اور فواحش کے راستوں پر جانے سے روکیں گے، وہ تمام اسباب اور ذرائع جو بگاڑ کے راستے پر لے جاتے ہیں (جن میں آج خاص طور سے ٹی وی، انٹرنیٹ وغیرہ کا طوفان شامل ہے) یا تو اپنانے نہیں دیں گے یا بے حد حساسیت اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنی نگرانی میں ان کا صرف مثبت اور مفید استعمال ہی ہونے دیں گے،

تبھی اولاد گناہوں سے محفوظ رہ سکے گی۔

آج صورت حال یہ ہے کہ زندگی کے ہنگاموں اور مشغولیات میں والدین کو اپنی اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت کی فرصت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ضروری ہونے کا انہیں احساس ہے، ٹی وی اور رقص و سرود کا کلچر گھر سے لے کر بازار تک اور اسکول سے لے کر تقریبات تک بالکل عام ہے، خلوت کی زندگی میں جوانی کی دہلیز پر پہنچتی اولاد موبائل، نیٹ وغیرہ کے ذریعہ کیا کر رہی ہے، وہ بے حیائی کی راہ پر کس طرح جا رہی ہے اور منشیات کی لعنت میں کس طرح مبتلا ہو رہی ہے، اس کی کوئی فکر والدین کو نہیں رہتی ہے، نتیجہ سامنے ہے کہ نوجوانوں کی وہ نسل سامنے آ رہی ہے جو شراب کی رسیا اور بگاڑ کا مرکب ہے۔

(۳) بے کاری اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری

بے کاری اور کسی مثبت، صحت مند اور مفید مشغولیت کا نہ ہونا انسان کو بگاڑ کی راہ پر لے جانے کا بہت طاقت ور ذریعہ ہوتا ہے، ایسے لوگوں تک شیطان کی رسائی بہت آسانی سے ہوتی ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْقَلْبَ إِذَا لَمْ يَمْتَلِئْ مِنْ مَحَبَّةِ اللّٰهِ، اِمْتَلَأَ مِنْ مَحَبَّةِ الشَّيْطَانِ، فَقَادَهُ الشَّيْطَانُ كَمَا تُقَادُ الدَّابَّةُ حَتّٰى يُوْرِدَهُ مَوَارِدَ الْبَوَارِ. (المخدرات: عائض/۱۹)

اگر دل میں اللہ کی محبت نہ ہو تو شیطان کی محبت جگہ بنا لیتی ہے، پھر شیطان دل کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے، جیسے جانور کو قابو میں کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ شیطان انسان کو ہلاکت کے گڈھوں تک پہونچا ہی دیتا ہے۔

اس لئے مثبت اور مفید مشغولیات میں لگے رہنا بہت بڑی نعمت ہے اور بگاڑ سے سلامتی کا ذریعہ بھی ہے، موجودہ حالات میں جب معاشی بدحالی کا دور دورہ ہے، ایک بہت بڑا طبقہ بے روزگاری کی زندگی گزار رہا ہے، اور مایوسی، نفسیاتی کرب اور اضطراب کا شکار ہے، اور یہ کرب بسا اوقات اسے اپنے غم غلط کرنے کیلئے شراب ونشہ کے مہلک راستے پر لے جاتا ہے، یہ بھی سماج میں نشے کے عموم کا ایک سبب ہے۔

(۴) بری صحبت

نوجوانوں میں نشے کی لت کا ایک محرک نشے باز ساتھیوں کی صحبت و رفاقت بھی ہے، بری صحبت

کے بدترین اثرات عقل ونقل سب سے ثابت ہیں، ارشاد نبوی ہے:

اَلْـمَـرْءُ عَـلَـیٰ دِیْـنِ خَـلِـیْـلِـهٖ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ. (سنن أبي داؤد)

آدمی اپنے دوست کے طریقے پر کاربند ہوتا ہے، اس لئے دوستی سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ کس سے دوستی کی جارہی ہے۔

سلف صالحین کے اقوال میں ہے:

لَیْـسَ شَیْـئٌ اَضَـرَّ عَـلَی الْقَلْبِ مِنْ مُـخَـالَـطَةِ الْـفَـاسِـقِیْنَ وَ النَّظَرِ اِلَی اَفْعَالِهِمْ. (الاخوۃ/جاسم المهلهل ۳۸)

دل کے لئے بروں کی صحبت اوران کے برے افعال کو دیکھنے سے زیادہ ضرررساں چیز کچھ اورنہیں ہے۔

عموماً یہ مشاہدہ ہے کہ شراب ونشے سے دور آدمی جب غلط صحبت میں آتا ہے تو اس کی زندگی اس لعنت سے آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہتی، آج ہمارے نوجوانوں میں اپنے نام نہاد 'اسٹیٹس' کو بحال رکھنے کے لئے اپنے دوستوں کا جو 'سرکل' بنانے کا فیشن چل پڑا ہے وہ عیاش، بے حیا، اخلاق باختہ، شراب وکباب کے عادی نوجوانوں کا سرکل ہوتا ہے، وہاں کسی دین دار، باشرع، صالح، دینی خدمات سے وابستہ جوان کو داخلے ہی کی اجازت نہیں ہوتی، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی انہیں بروں کے رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے، اور اپنا سب کچھ داؤں پر لگا بیٹھتا ہے۔

(۵) یورپ کی اندھی نقالی اور غلامی

ہمارے معاشرہ میں منشیات اور دیگر فواحش کے عام ہونے کے پیچھے بنیادی کردار ہماری اندھی نقالی اور غلامی کے مزاج کا ہے، اسلام کا مکمل علم نہ ہونے، اپنی دینی تعلیمات پر بصیرت واعتماد نہ ہونے اور روح کے بجائے مادے کو ترجیح دینے کے مزاج کی وجہ سے امت کی اکثریت مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب اور منکرات سے لبریز کلچر کی اندھا دھند نقالی اور غلامی کرتی ہے۔

سماج میں مغرب زدگی کا ایک سبب مادیت اور خدا بیزاری اور اخلاقیات سے محروم مغربی نظام تعلیم کا عام فروغ ہے، دوسرا سبب میڈیا کے فحش، مخرب اور منفی پروگرام ہیں، اور اسی مغرب پرستی نے ہمارے سماج میں دیگر لعنتوں کے ساتھ منشیات کی لعنت کو بھی پروان چڑھایا ہے، اور یہ خمار اس وقت تک

نہیں اترے گا جب تک نقالی اور غلامی کا مزاج ختم نہ ہوجائے۔

(۶) بے شعوری میں نشہ آور گولیوں کا مقوی دوا سمجھ کر استعمال

ایک طبقہ جوانوں میں وہ بھی ہے جو بگاڑ پھیلانے والوں کی طرف سے رائج نشہ آور گولیوں کو جھانسے میں آ کر انہیں مقوی دوا سمجھ کر استعمال کر لیتا ہے، اور اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس طرح اس نے نشے کا زہر اپنے وجود میں اتار لیا ہے، پھر رفتہ رفتہ وہ ان دواؤں کا عادی ہوجاتا ہے، اور پھر یہ عادت اسے برباد کر ڈالتی ہے، یہ بھی معاشرے میں منشیات کے رواج کا ایک سبب ہے۔

(۷) ذہنی پریشانیاں اور خانگی جھگڑے

معاشرتی، کاروباری، خاندانی یا گھریلو پریشانیوں، مسائل اور حالات کی وجہ سے متعدد لوگ ڈپریشن کا شکار ہو کر شراب اور نشہ کا سہارا لیتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں، پھر یہ عادت جڑ پکڑتی چلی جاتی ہے۔

(۸) فلمی ایکٹرس کی نقل

ٹی وی کی لعنت نے نوجوانوں کو مخرب اخلاق پروگراموں بطور خاص فلموں کا دیوانہ بنا دیا ہے، اور نوجوانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ لباس، صورت، حلیہ، انداز، بالوں وغیرہ تمام چیزوں میں انہیں فلمی اداکاروں کی نقل اتارتا ہے، شراب ومنشیات کے فروغ میں فلموں کا کردار بہت نمایاں ہے، بالعموم شراب نوشی اور کسی نہ کسی شکل میں نشہ خوری کے مناظر تمام فلموں میں ہوتے ہیں، یہ چیز نوجوانوں میں منشیات کی لت پیدا کرنے کا ایک بہت بنیادی سبب ہے۔

❍❖❍

ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد
ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے
صرف ایک ممبر بنا کر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہوجائیے۔

آخری قسط

اِسلام میں فحاشی اور بے حیائی کی مذمت

مولانا مفتی محمد رضوان صاحب قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

غیر مردوں کے سامنے عورت کا عطر لگانا

غیر مردوں کے سامنے یا ایسی جگہ جہاں نامحرموں کی آمدورفت رہتی ہو، عورت کا خوشبو لگانا ممنوع ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت جب عطر لگا کر غیر مردوں کے پاس سے گذرے تو وہ ایسی ایسی ہے، یعنی بدکار ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۱/۹۶)

اس لئے جہاں دیور، جیٹھ، بہنوئی یا چچازاد، ماموزاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، بھائی کا آنا جانا رہتا ہو، وہاں خواتین عطر خوشبو وغیرہ لگانے میں احتیاط رکھیں، اس لئے کہ یہ سب نامحرم ہیں، ان سب سے پردہ کرنا شرعاً ضروری ہے۔ (بہشتی زیور ۷/۳۲)

ضروری ستر

حضرت جرید بن خولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ران بھی ستر ہے، یعنی اس کا چھپانا ضروری ہے، کھولنا جائز نہیں ہے۔ ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہدایت فرمائی کہ اے علی! اپنی ران نہ کھولو اور کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران کی طرف نظر نہ کرو؛ کیوں کہ وہ ستر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

مرد وعورت کا ستر

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور ایک عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۸) مطلب یہ ہے کہ جسم کے وہ مخصوص حصے جن کو چھپانا ضروری قرار دیا گیا ہے، یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک ان کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

تنہائی میں بھی ستر بلاضرورت نہ کھولیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو، کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو، تب بھی بلاضرورت ننگا نہ ہو؛ کیوں کہ اس کے ساتھ فرشتے برابر رہتے ہیں، کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت اور میاں بیوی کے شہوت کے وقت؛ لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

آستین کہاں تک ہوں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین گٹوں تک ہوتی تھیں، اس لئے مردوں اور عورتوں کے لئے تو سنت یہی ہے کہ ان کی آستین گٹوں تک ہوں۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۵۸)

لیکن عورتوں کے لئے گٹوں سے اوپر کا حصہ کھلا رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، پوری کلائی ستر میں داخل ہے، آج کل عورتوں میں یہ فیشن چل پڑا ہے کہ قمیص کی آستین آدھی ہوتی ہے، یا پورے بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سالی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنا چاہئے، سوائے پہنچوں تک ہاتھوں کے اور چہرے کے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۶/۲۸۷)

لہٰذا اگر آستین چھوٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کا حصہ کھلا ہوا ہے، اس لئے خواتین کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ان کے ستر کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنے پائے۔

پردہ کے شرعی اَحکام

آزاد مسلمان پر جو بالغ یا بالغ ہونے کے قریب ہو، جوان ہو یا بوڑھی ہو، اس کے لئے اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں اور بعض کے نزدیک پیروں کے بھی باقی تمام بدن کو کپڑے سے چھپایا جائے، اور یہ ادنیٰ درجہ کا پردہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں اور پیروں کو بھی برقع سے چھپالیا جائے، یہ درمیانی درجہ ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ عورت دیوار یا پردے کے پیچھے آڑ میں رہے کہ اس کے کپڑوں پر بھی اجنبی کی

نظر نہ پڑے، یہ اعلیٰ درجہ کا پردہ ہے، چوں کہ انہیں پہلا درجہ اپنی ذات سے واجب ہے، اس لئے اس کا حکم بھی جوان ادھیڑ بوڑھی اور ایسی نابالغ لڑکی جس کی طرف رغبت ہوتی ہو، سب کے لئے یکساں ہے، یعنی سوائے چہرہ ہاتھوں اور قدموں کے باقی بدن یا سر کے کسی حصے کا اجنبی کے سامنے کھولنا مطلقاً حرام ہے، چاہے شہوت بالکل نہ ہو، اور جس عضو کا دیکھنا اور اس پر نظر کرنا جائز ہے، اس میں قید یہ ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اگر ذرا سا شک بھی ہو، تو اس وقت دیکھنا حرام ہے؛ لیکن وہ بوڑھی عورت جس کی طرف رغبت کا بالکل احتمال نہ ہو، اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا، مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ آج کل ایسی عورتیں گھروں میں اس کا احتیاط نہیں کرتیں اور خود بھی گنہگار ہوتی ہیں، اور مردوں کو بھی گنہگار کرتی ہیں، اور دوسرے تیسرے درجہ کا پردہ چوں کہ فتنہ کی وجہ سے واجب ہے، اور اس فتنے کا اندیشہ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے، اس کی تعیین اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیت ۶۰ میں کردی ہے کہ فتنہ کا اندیشہ صرف ان بوڑھی عورتوں میں موجود نہیں جو نکاح کے قابل نہیں رہیں؛ لیکن اگر یہ بوڑھی عورتیں بھی اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپائے رکھیں، تو یہ ان کے لئے بہتر اور مستحب ہے، اور ان کے سوا جوان اور ادھیڑ عورتوں میں اندیشۂ فتنہ موجود ہے، اس لئے ان کے لئے اجنبی کے سامنے چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا بھی واجب ہے، عورت کو اپنے شرعی محرم کے سامنے ناف سے گھٹنے تک، کمر اور پیٹ کھولنا حرام ہے؛ البتہ سر چہرہ بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں ہے، گو بعض اعضاء کا بلا ضرورت کھولنا بھی مناسب نہیں۔ اور شرعی محرم وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو، جیسے باپ بیٹا، حقیقی بھائی علاتی (باپ شریک بھائی) اخیافی (ماں شریک بھائی) اور ان بھائیوں کی اولاد اسی طرح انہیں تینوں طرح کی بہنوں کی اولاد اور انہیں جیسے رشتہ دار جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، اور جس سے عمر میں کبھی بھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو، وہ شرعاً محرم نہیں؛ بلکہ نامحرم ہے، اور شریعت میں جو حکم محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے، وہی حکم ان کا بھی ہے، اگر چہ ان کے ساتھ قرابت کا رشتہ بھی ہو، جیسے چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی یا دیور یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہ سب نامحرم ہیں، اور ان سے وہی پرہیز کرنا لازم ہے، جو نامحرموں سے ہوتا ہے؛ بلکہ چوں کہ ایسے موقع پر فتنہ کا واقع ہونا آسان ہے، اس لئے انہیں احتیاط کا حکم اور زیادہ ہے۔ (اصلاح الرسوم ۹۸)

بہر حال ہمیں ان اسلامی ہدایات کا خیال رکھنا لازم ہے، یہی عافیت کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائیں، آمین۔

اَولیاتِ صحابہؓ

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

حبشہ کے سب سے پہلے مہاجر صحابیؓ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

جمعہ کی اذان اول کا اضافہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شرعی و مذہبی مسائل میں اجتہاد بھی فرماتے تھے، چناں چہ بہت سے مسائل میں آپ کے اجتہادات کتب حدیث میں مذکور ہیں، انہی میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے لیے صرف ایک اذان (خطیب کے سامنے) ہوتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ گئی اور لوگوں میں امورِ دینیہ کے تعلق سے کچھ کمزوری پیدا ہونے لگی، تو آپؓ نے ضرورت کے پیش نظر اعلانِ عام کے واسطے اذانِ ثالث (یعنی جمعہ کی اذانِ اول) کا اضافہ فرمایا، جس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہوگیا۔ (صحیح بخاری ۱/۱۲۴، حدیث ۹۱۲۔ لامع الدراری ۲/۲۰، ۲۱۔ تحفۃ القاری ۳/۲۳۱-۲۳۲)

دیت میں قیمت کی ادائیگی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیت میں قیمت دینے کی اجازت دی، اس سے پہلے اونٹ ہی دینا لازم تھا، گویا اس سلسلے میں آپ کے اجتہاد سے دیت دینے والوں کو بھی سہولت ہوئی، اور دیت لینے والوں کو بھی فائدہ ہوا۔ (سیر صحابہ ۱/۲۳۶)

شہادت و مدتِ خلافت و عمر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض لوگوں کا اختلاف، بغاوت و فتنہ اور پھر اس فتنے میں آپؓ کی مظلومانہ شہادت کی پیشین گوئی، نیز اس شہادت کے نتائج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بیان فرمادیے تھے، اس سلسلے کی چند احادیث شریفہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن اپنے خطاب میں) ایک عظیم فتنے کا ذکر فرمایا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’یُقْتَلُ ھٰذا فِیْھا مَظْلُوماً‘‘، اس فتنے میں اس بندے کو مظلومانہ شہید کیا جائے گا۔ (ترمذی شریف ۲۱۲/۲، مناقب عثمان بن عفانؓ)

(۲) حضرت مرّہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد امت میں برپا ہونے والے بعض فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو قریب ہی میں واقع ہونے والے فتنے بتلایا، یعنی یہ فرمایا کہ یہ فتنے بہت جلد آرہے ہیں، پس ایک شخص (وہاں سے) سر سے کپڑا اوڑھے ہوئے گزرا، تو حضو صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا: ’’ھٰذا یَوْمَئِذٍ علی الْھُدیٰ‘‘، یہ شخص آنے والے ان فتنوں کے دنوں میں طریق ہدایت اور راہِ راست پر ہوگا، میں نے کھڑے ہوکر دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کے چہرے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا، اور پوچھا کہ: یہ شخص؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ ابن ماجہ میں یہ حدیث شریف حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (ترمذی ۲۱۱/۲، حدیث ۳۷۳۳۔ ابن ماجہ ص ۱۱)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: ’’یَا عُثْمَانُ اِنَّہُ لَعَلَّ اللّٰہَ یُقَمِّصُکَ قَمِیْصاً فَاِنْ اَرَادُوْکَ عَلیٰ خَلْعِہٖ فَلا تَخْلَعْہُ لَھُمْ‘‘، اے عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک خاص قمیص پہنائے گا (شارحینِ حدیث کا اتفاق ہے کہ قمیص سے مراد خلافت کی ذمہ داری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا خلعت عطا فرمائے گا) پس اگر لوگ (ابن ماجہ میں ’’منافقین‘‘ کا لفظ ہے) آپ سے اس کے نکالنے کا (یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے منصب خلافت سے دست بردار ہونے کا) مطالبہ کریں، تو آپ اس کو ان کی خاطر نہ نکالنا اور اس منصب خلافت کو نہ چھوڑنا۔ (ترمذی شریف ۲۱۱/۲، حدیث ۳۷۳۴۔ ابن ماجہ ص ۱۱)

(۴) حضرت ابوسہلہ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور وہ شہید کئے گئے اسی دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بتلایا تھا: ’’اَنّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم قَدْ عَھِدَ اِلَیَّ عَھْداً فَاَنَا صَابِرٌ عَلَیْہِ‘‘، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک خاص وصیت فرمائی تھی، میں نے صبر کے ساتھ اس وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ (ترمذی شریف ۲۱۲/۲)

حضرت ابوسہلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، وہ اس وقت جب کہ باغیوں اور بلوائیوں نے آپؓ کا محاصرہ کر رکھا تھا آپؓ کے پاس تھے، اور دوسرے ہمدردوں اور وفادار رفیقوں کے ساتھ وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے، غالبًا یہی بات انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کی تھی، جس کے جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ بالا ہدایت ووصیت کا حوالہ دیا، اور آپ نے ان کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرکے مظلومیت کے ساتھ شہید ہو جانے کا فیصلہ فرمایا، معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقتور حکومت کے فرماں روا تھے، اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا فیصلہ فرماتے یا اس کی اجازت چاہنے والوں کو اجازت ہی دیدیتے تو یہ بغاوت پوری طرح کچل دی جاتی، لیکن آپ کی فطرت اور طبیعت پر حیا کی طرح حلم کا بھی غلبہ تھا، اس لیے آپ اس کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے، اس کے مقابلے میں ان بلوائیوں کے ہاتھوں مظلوم بن کر جان دیدینا اور شہید ہو جانا بہتر سمجھتے تھے۔ (معارف الحدیث بتغیر واختصار ۳۴۱/۸-۳۴۳-۳۴۴)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، پس پہاڑ نے ان کی وجہ سے حرکت کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا قدم مبارک مارا، اور فرمایا: "**اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْکَ نَبِیٌّ وصِدِّیْقٌ وَشَهِيْدَانِ**" اے احد! ٹھہر جا تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے، اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری ۵۲۳/۱، باب مناقب عثمان بن عفانؓ)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین ایک مرتبہ "حراء" پہاڑ پر تھے، (گویا پہلا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے، اور یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، واللہ اعلم) پس چٹان ہلی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اِهْدَأ فَمَا عَلَيْکَ اِلَّا نبیٌّ او صِدِّیْقٌ او شَهِيْدٌ**" رُک جا! تیرے اوپر نبی، صدیق اور شہید ہی ہیں۔ (ترمذی شریف ۲۱۰/۲، حدیث ۳۷۲۶)

(۷) ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں بئر اریس پر تشریف فرما تھے، اور حضرت

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دربانی کررہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازے کی حفاظت کریں اور کسی کو بغیر اجازت اندر نہ آنے دیں، تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو اجازت دیدو، اور جنت کی خوشخبری سنادو، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے، آپ نے ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ اجازت دیدواور ان کو بھی جنت کی خوشخبری دے دو، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت مانگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’اِئذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ علیٰ بَلْوىً سَتُصِيْبُهٗ‘‘ ۔اجازت دیدواور جنت کی خوشخبری سنادو ایک بڑی آزمائش کے ساتھ جو ان کو پہنچے گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: ’’اللّٰه المستعانُ‘‘ یعنی آنے والی مصیبت کے لیے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ (بخاری شریف ۱/۵۲۲، حدیث ۳۶۹۳۔ مسلم شریف، حدیث ۲۴۰۳)

(۸) ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: ’’اِنَّ لِلّٰهِ سَيْفاً مَغْمُوْدًا فِى غِمْدِهٖ ما دَامَ عُثْمَانُ حَيًّا فَاِذَا قُتِلَ عثمانُ جُرِّدَ ذٰلِکَ السَّيْفُ فَلَمْ يُغْمَدْ اِلىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ‘‘ ۔بے شک خدا کی تلوار نیام میں رہے گی جب تک عثمان زندہ ہیں، اور جب عثمان شہید کردیے جائیں گے تو وہ تلوار نکل جائے گی، اور پھر قیامت تک نیام میں نہیں جائے گی۔ (تاریخ دمشق ۳۹/۴۴۴۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۷۷)

عظیم فتنہ اور حضرت عثمانؓ کی مؤثر تقریر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت و فتنے کا آغاز تکوینی طور پر اس طرح ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگوٹھی آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، اور ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی، ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے چھٹے سال ’’بئر اریس‘‘ پر بیٹھے ہوئے تھے اور انگوٹھی ہاتھ میں تھی، اچانک اس کنویں میں گر پڑی، تین روز تک وہ انگوٹھی تلاش کی گئی، کنویں کا تمام پانی نکالا گیا، مگر انگوٹھی کا پتہ نہ چلا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے وہ انگوٹھی حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کو دیدی تھی، ان کے ہاتھ سے کنویں

میں گری، اس واقعے کے بعد ہی عظیم فتنے کی ابتداء ہوئی۔ (بخاری شریف ۸۷۲/۲، حدیث ۵۸۶۷، کتاب اللباس، باب خاتم الفضۃ۔ فتح الباری ۳۵۹/۱۳، وفاء الوفاء ۱۲۰/۳، ۱۲۱، بئر اریس)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں کچھ لوگوں نے آپ کے خلاف وہ فتنہ برپا کیا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، انہوں نے آپ پر نکتہ چینیاں اور معمولی معمولی باتوں پر اعتراضات شروع کردئے، (جو شرعی طور پر کسی بھی طرح قابل گرفت نہیں تھے، خصوصاً جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمادیا تھا کہ یہ ظلماً شہید ہوں گے، اور یہ اس دن حق پر ہوں گے، وغیرہ، جیسا کہ گزرگیا) ان کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہوجائیں یعنی خود اپنے آپ کو معزول کردیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے مطالبے پر خلافت سے ازخود دست بردار ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، کیوں کہ اس سلسلے میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکیدی ہدایت اور وصیت تھی کہ لوگوں کے مطالبے پر خلعتِ خلافت مت اتارنا، جیسا کہ حدیث شریف گزرگئی، اس وجہ سے ان فتنہ پردازوں اور باغیوں نے آپؓ کا محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ کرنے والے مصر اور عراق کے بعض شہروں کے باغی، مفسدین اور بلوائی تھے، جن کو فتنہ پردازی کے ماہر ایک منافق یہودی عبداللہ بن سبا نے خفیہ سازشی تحریک کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا، (اس فتنے اور عبداللہ بن سبا کی خفیہ تحریک کی تفصیلات سیر وتاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں) باغیوں اور بلوائیوں کا یہ محاصرہ اتنا شدید ہوگیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد شریف آکر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، اور آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، اس وقت آپ نے آخری حد تک افہام وتفہیم کی کوشش کی اور اتمام حجت کے طور پر اپنے بالاخانے کے اوپر سے حضرت ثمامہ بن حزن قشیری رضی اللہ عنہ سے منقول درج ذیل مؤثر خطاب فرمایا، جو باغیوں اور بلوائیوں کے سامنے غیر مؤثر ثابت ہوا، آپ نے فرمایا: ”میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں ”بئر رومہ“ کے علاوہ شیریں پانی کا کوئی کنواں نہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ: ”کون اللہ کا بندہ ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اپنا ڈول سب مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کردے (یعنی عام مسلمانوں کے لیے وقف کردے) تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر عطا

فرمائے گا''،تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور وقف کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو؟ یہاں تک کہ میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں''،تو اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ، (یعنی اے اللہ! ہم جانتے ہیں کہ عثمان کی یہ بات صحیح ہے)۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:''میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہوگئی تھی،تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا:''کون اللہ کا بندہ ہے جو فلاں گھرانے کے قطعۂ زمین کو (جو مسجد کے برابر میں تھا) خرید کر مسجد میں شامل کر دے تو اللہ اس کو جنت میں اس سے بہتر قطعہ عطا فرمائے گا''،تو میں نے اپنے ذاتی مال سے اس کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا،اور آج تم لوگ مجھ کو اس بات سے روکتے ہو کہ میں اس میں دو رکعت نماز پڑھ سکوں''؟ تو ان لوگوں نے کہا: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ۔(یعنی اے اللہ! ہم جانتے ہیں کہ بے شک عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر وہ قطعۂ زمین خرید کر مسجد میں شامل کیا تھا)

اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا:''میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کے لیے اپنے مال سے ساز و سامان کیا تھا''؟ تو ان لوگوں نے کہا: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ. (یعنی اے اللہ! ہم یہ بات بھی جانتے ہیں)

اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے فرمایا:''میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ''جبل ثبیر'' پر تھے،اور آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے اور میں بھی تھا،تو پہاڑ حرکت کرنے لگا،یہاں تک کہ اس کے پتھر اوپر سے نیچے کی جانب نشیب میں گرنے لگے،تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبیر پہاڑ پر اپنا قدم مبارک زور سے مارا اور فرمایا: ''اُسْکُنْ ثَبِیْرُ''۔(اے ثبیر ٹھہر جا) کیوں کہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں''؟ تو ان لوگوں نے کہا: ''اَللّٰھُمَّ نَعَمْ''۔(یعنی اے اللہ! یہ واقعہ بھی ہمارے علم میں ہے) اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر،ان لوگوں نے بھی میرے لیے گواہی دی،اور اس کے ساتھ ہی فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! میں شہید (ہونے والا) ہوں،آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔(ترمذی شریف ۲/۲۱۱،حدیث ۳۷۳۲)

اسی طرح حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے منقول یہ خطاب فرمایا،مگر اس کا بھی ان مفسدین

نے کوئی اثر نہ لیا، آپ نے فرمایا: ''لوگوں! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ زِنًا بَعْدَ اِحْصَانٍ او ارْتِدَادٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ او قَتْلِ نَفْسٍ بِغَیْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِہٖ''۔ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے، شادی ہونے کے بعد زنا کرنے سے، اور اسلام لانے کے بعد مرتد ہونے سے، اور کسی شخص کو ناحق قتل کرنے سے، پس وہ (قاتل) اس کے بدلے میں قتل کیا جائے، (لوگوں نے جواب دیا: ہاں ہم یہ حدیث جانتے ہیں، پس آپ نے فرمایا:) پس خدا کی قسم! نہ تو میں نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی بدکاری کی، اور نہ زمانۂ اسلام میں، اور جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ اسلام کی ہے اسلام سے بھی نہیں پھرا، اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو، پھر آپ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہو؟۔ (ترمذی شریف ۲/۳۸، حدیث ۲۱۵۶، ابواب الفتن)

شہادت:- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایمانی فراست اور بعض غیبی ومنامی اشارات سے یہ یقین ہوگیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر میری شہادت کی جو پیشین گوئی فرمائی تھی باغیوں اور بلوائیوں کا یہ فتنہ اسی شہادت کا تکوینی انتظام ہے، اسی سلسلے کا ایک آخری غیبی اشارہ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت مسلم ابوسعید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (شہادت کے روز) فرمایا کہ گزشتہ رات مجھ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت ہوئی، ان حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ: عثمان! صبر اور تسلیم ورضا کے راستے پر قائم رہنا، کل تم ہمارے پاس آکر روزہ افطار کروگے، (گویا جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب میں آپ نے یہ خواب دیکھا تھا) حضرت مسلمؒ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کے دن آپ نے شہادت کی تیاری شروع فرمائی، اور مختلف قسم کے اعمالِ صالحہ کا خاص طور سے اہتمام فرمایا، چناں چہ جمعہ کے دن آپؓ نے روزہ رکھا) بیس غلام آزاد کیے، پاجامہ منگوایا، جب کہ پاجامہ اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں (نہ اسلام لانے سے پہلے، نہ بعد میں) پہنا تھا، (کیوں کہ عرب میں عام طور سے تہبند پہننے کا رواج تھا، آپؓ بھی ہمیشہ تہبند ہی پہنتے تھے، لیکن چوں کہ آپؓ پر شرم وحیا کا غلبہ تھا، اس لیے آپؓ نے اس دن بجائے تہبند کے پاجامہ منگوا کر پہنا) اور اس کو بہت مضبوط باندھا، (تاکہ شہادت اور موت کے بعد بھی جسم کا وہ حصہ نہ کھلے جس کا کھلنا شرم وحیا کے خلاف ہے) پھر آپ نے قرآنِ کریم منگوایا، اور اس کو سامنے رکھ کر تلاوت شروع فرمادی، اسی حال میں بدبخت ظالم باغیوں نے آپ کو شہید کردیا۔ (مجمع الزوائد ۹/۱۱۴، حدیث ۱۴۵۶۳۔ مسند احمد حدیث ۵۲۶۔ اسد الغابہ ۳/۵۸۵، ۵۸۶)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے وقت آپ سورۂ بقرہ کا وہ حصہ تلاوت فرمارہے تھے جہاں پاروں کی تقسیم کے لحاظ سے پہلا پارہ ''الم'' ختم ہوتا ہے، اور آپ کے خون کے قطرے اس آیت پر گرے ''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ''۔ تو تمہاری طرف سے عنقریب ہی نمٹ لے گا ان سے اللہ تعالیٰ، اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں تمہاری اور ان کی باتیں (اور تمہارے اور اُن کے برتاؤ) جانتے ہیں۔ (بیان القرآن) گویا یہ من جانب اللہ اس بات کا اعلان تھا کہ ان بدبخت ظالموں سے اللہ تعالیٰ پورا انتقام لے گا، آپؓ کی شہادت کا یہ المناک اور دردانگیز سانحہ ۱۷/یا ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن عصر کے بعد پیش آیا، علامہ واقدی ۸/ ذی الحجہ، ابوعثمان نہدی ۱۲/ ذی الحجہ، اور بعض ۲۲/ ذی الحجہ، بعض ۲۸/ ذی الحجہ کہتے ہیں، آئندہ روز سنیچر کی شام تک لاش اسی طرح پڑی رہی، کیوں کہ باغیوں کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، سنیچر کا دن گزار کر مغرب وعشاء کے درمیان چند حضرات نے ہمت کر کے غسل دیے بغیر اسی خون آلود قمیص میں جنازہ اٹھایا، نمازِ جنازہ کی امامت کے سلسلے میں چند اقوال ہیں، جبیر بن مُطعم، حکیم بن حزام، مِسْور بن مخرمہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اجمعین، اور مروان بن الحکم، نمازِ جنازہ کے بعد نیار بن مُکرم الاسلمی، ابوجہم بن حذیفہ اور جبیر بن مطعم قبر میں اترے، اور مدینۂ منورہ کے مشہور قبرستان ''جنۃ البقیع'' سے متصل ''حَشِ کوکب'' نامی جگہ میں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا، جس کو آپؓ نے ہی قبرستان میں اضافہ کرنے کے لیے خریدا تھا، بعد میں یہ جگہ قبرستان میں شامل کرلی گئی، آج بھی ''جنۃ البقیع'' کے بالائی حصے کے اخیر میں مزارِ مبارک زیارت گاہِ خلائق ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی تک تمام مسلمان متحد ومتفق اور تمام فوجیں کفر وشعائر کفر کے فنا کرنے میں مصروف تھیں، آپؓ کی شہادت کے بعد باہم اختلاف پیدا ہوگیا، اور پھر ایسا اتحاد واتفاق مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوا۔ (اسد الغابہ ۵۸۵/۳، ۵۸۶۔ مسند احمد، حدیث ۵۴۵، ۵۴۹۔ مجمع الزوائد ۱۱۵/۹، حدیث ۱۴۵۶۴۔ الاصابہ ۳۷۹/۴۔ الاستیعاب ۱۵/۲، ۱۷، ۱۸۔ سیر اعلام النبلاء، سیرۃ الخلفاء الراشدین ص ۱۶۲، ۲۰۶۔ تاریخ دمشق ۱۵/۳۹)

مدتِ خلافت وعمر

آپ کی خلافت کی مدت میں اختلاف ہے، محمد بن اسحاقؒ کے نزدیک گیارہ سال گیارہ مہینے اور بائیس دن، ابومعشرؒ کے نزدیک گیارہ سال گیارہ مہینے اور اٹھارہ دن، بعض کے نزدیک گیارہ سال گیارہ مہینے اور چودہ دن۔ اسی طرح عمر میں بھی چند اقوال ہیں، قتادہؒ ۸۶ سال، واقدیؒ ۸۲ سال، بعض ۸۸ سال، بعض ۸۰ سال، بعض ۹۰ سال، بعض ۷۵ سال کہتے ہیں، واللہ اعلم۔ (مسند احمد حدیث ۵۴۵، ۵۴۷۔ تاریخ دمشق ۱۳/۳۹۔ اسد الغابہ ۵۸۵/۳، ۵۸۷)

چند علاماتِ قیامت

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین واستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

سود عام ہوگا

اسی طرح آپ نے فرمایا جب میری امت سودی کاروبار کو خرید وفروخت کے طور پر حلال سمجھنے لگے گی تو ہلاکت ان کا مقدر بن جائے گی۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ سود تو کاروبار کا حصہ ہے، اس کے بغیر کام چل ہی نہیں سکتا، کتنے لوگ ہیں مسلمانوں میں جو بالکل واضح طور پر سودی کاروبار کرتے ہیں اور سودی قرضہ دینے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے کسی غریب کو اور مجبور کو دو روپے دیں گے تو اس معاہدہ کے ساتھ کہ ایک مہینہ کے بعد تمہیں دس لوٹانے ہیں، اگر وقت پر نہیں لوٹاؤ گے تو ہر ہفتہ اتنے روپے بڑھتے رہیں گے، یہی ان کا کاروبار اور ذریعہ معاش ہے۔ اسی سے وہ اپنا بھی پیٹ پال رہے ہیں اور گھر والوں اور بچوں کا بھی پیٹ پال رہے ہیں، حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو جسم حرام آمدنی سے نشو ونما پایا ہو جہنم کی آگ ہی اس کے زیادہ لائق ہے۔ (الطبرانی فی الصغیر ۲۲۴)

سود کی شناعت وقباحت بیان کرتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

دِرْهَمٌ رِبَا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلاثِيْنَ زَنْيَةً. (رواه أحمد ۲۲۵/۵)

جانتے بوجھتے ہوئے ایک درہم کے برابر سودی مال کھانا ۳۶؍مرتبہ زنا کرنے سے بڑا جرم ہے۔

دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ بَابًا أَدْنَاهَا كَالَّذِيْ يَقَعُ عَلٰى أُمِّهٖ. (شعب الایمان ۵۵۲۰)

سود کے ستّر درجے ہیں جس میں سے ادنیٰ درجہ (گناہ و جرم کے اعتبار سے) اپنی حقیقی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے مانند ہے۔

ایسا بدنصیب شخص جس نے اپنی ماں پر بری نگاہ ڈالی ہو لوگ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے، اس کو شہر بدر کردیں گے، نگاہوں سے دور کردیں گے، تو سوچیے کہ آپ فرماتے ہیں سودی مال کھانے والا اس سے بھی بڑا مجرم ہے جو اپنی ماں پر بری نگاہ ڈالے اور آج یہ چیز اتنی عام ہوگئی ہے کہ برائی کو برائی نہیں سمجھا جاتا، اور سب سے بڑی سازش اور شیطان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ برائی کی برائی انسان کے دل سے نکال دے، گناہ کے گناہ ہونے کا احساس انسانوں کے دل سے نکال دے اور جب یہ احساس نکل جاتا ہے کہ یہ برائی ہے تو پھر توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی، اور اگر برائی کا احساس دل میں رہتا ہے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

رشوت کی گرم بازاری ہوگی

اسی طرح آپ نے فرمایا جب میری امت کے لوگ رشوت کو تحفہ کا نام دے کر حلال سمجھنے لگیں گے تو ہلاکت و بربادی اُن کا مقدر بن جائے گی، جن جن چیزوں کی طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اشارہ فرمارہے ہیں آج وہ معاشرہ کے اندر عام ہیں، رشوت عام ہے، اس کا بازار ایسا گرم ہے اور ایسے حالات دنیا میں بن چکے ہیں کہ بغیر جیب گرم کئے اور لفافہ دئے ہوئے جائز کام بھی نہیں ہوتا اور ناجائز کام پیسے کے بل بوتے پر کرانے والے کرالیتے ہیں اور جائز کام کروانے والے ایڑیاں رگڑتے رہ جاتے ہیں؛ لیکن پیسہ نہ دینے کی وجہ سے ان کا کام نہیں ہو پاتا۔ جب یہ حالات پیدا ہو جائیں گے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی کے مطابق انہی مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا جس سے آج پوری قوم جوجھ رہی ہے۔

زکوۃ سے تجارت کی جائے گی

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: کہ مالِ زکات سے تجارت کی جانے لگے گی، زکات جو صرف اور صرف غریبوں کا حق ہے، اس کو غلط مصرف میں خرچ کرکے ضرورت مندوں کا حق مارا جانے لگے گا۔ موجودہ دور میں اس سلسلہ کی بے احتیاطی بھی کثرت کے ساتھ پائی جانے لگی ہے۔ قوم سے زکات وصول کرکے نت نئے پروجیکٹ تیار کئے جاتے ہیں اور اس کے لیے وہ شکلیں اختیار کی جاتی ہیں جو شرعی اعتبار سے دائرۂ جواز میں نہیں آتیں۔

فطرت سے بغاوت کی جائے گی

پانچویں چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، فرمایا کہ مرد مرد سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے لگیں گے، فطرت اللہ نے یہ بنائی ہے کہ مرد عورت سے تسکین حاصل کرتا ہے اور عورت مرد سے تسکین حاصل کرتی ہے، یہی نظامِ قدرت ہے؛ لیکن قدرت کے اس نظام سے بغاوت کرتے ہوئے بدنصیبوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو مردوں سے مردوں کی تسکین اور عورتوں سے عورتوں کی تسکین کو درست قرار دیتی ہے، اور بہت سے ملکوں میں تو یہ قانون بن چکا ہے کہ مرد اگر کسی مرد کو اپنا رکھیل بنانا چاہتا ہے تو قانونی طور پر اُس کی کوئی ممانعت نہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اس ملک کے اندر بھی بعض ایسی طاقتیں ہیں جو اس کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ اس بدعملی کو قانونی شکل دے دی جائے۔ یہ وہ شیطانی تہذیب ہے جو انسانوں کو حیوان بنانے کے درپے ہے اور جسے ساری دنیا کے اندر رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کے اثرات ہمارے ملک کے اندر بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں، یاد رکھئے! جب یہ ماحول دنیا کے اندر ہوگا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما کر گئے ہیں ہلاکت، بربادی، ذلت، اور ہر طرح کے مسائل انسانوں کے مقدر بنتے چلے جائیں گے۔

اب ہماری عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں اگر خدانخواستہ ان بداعمالیوں میں سے کوئی بھی بدعملی کسی بھی درجہ میں ہمارے اندر پائی جارہی ہے تو اس سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، اگر ہم بچ گئے تو ان شاء اللہ عزت وسربلندی ہمارا مقدر بن جائے گی اور کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

تمام دنیوی واُخروی پریشانیوں اور دشواریوں کے حل کے لئے
اکابر واسلاف کے آزمودہ

مستند وظائف ومعمولات

مرتب: مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
صفحات: ۱۴۴ ○ ہدیہ: ۴۰/روپئے ○ ڈاک خرچ بذمہ خریدار

غموں اور صدموں سے نڈھال لوگوں کی تسلی اور صبر کے حصول کیلئے رہنما کتاب
حضرت نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

غموں اور صدموں بھرے لمحات وواقعات

مرتب: مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
صفحات: ۶۴ ○ ہدیہ ۳۰/روپئے ○ ڈاک خرچ بذمہ خریدار

ناشر: - ☐ مکتبۃ الاصلاح دارالطلبہ مدرسہ شاہی مرادآباد، موبائل: 09410679786

ڈاک سے منگوانے پتہ: - ☐ دارالعلم نزد مجاہد جنرل اسٹور دیوبند ضلع سہارنپور، موبائل: 09760333374

اشتہار

کتاب المسائل:

مفتی محمد سلمان منصور پوری

مسائلِ ظہار

''ظہار'' کے لغوی معنی

ظہار؛ دراَصل ''ظہر'' سے ماخوذ ہے، اِسی سے مصدر بنالیا گیا ہے، یعنی شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ (ظہر) کی طرح ہے، اِس طرح کے قول کو عربی زبان میں ''ظہار'' کہا جاتا ہے۔

الظهار بكسر الظاء المعجمة لغةً، ماخوذ من الظهر؛ لأن صورته الأصليةَ أن يقول الرجل لزوجته: أنت علي كظهر أمي، وإنما أخصُّ الظهر دون البطن والفخذ وغيرهما؛ لأن الظهر من الدابة موضع الركوب. (الموسوعة الفقهية ١٨٩/٢٩ كويت، المكتبة الشاملة)

زمانۂ جاہلیت میں ''ظہار'' کا تصور

اِسلام کی آمد سے قبل عرب کے معاشرہ میں ''ظہار'' کا لفظ اُس وقت بولا جاتا تھا، جب کہ شوہر یہ چاہتا تھا کہ اُس کی بیوی نہ تو خود اُس کے لئے حلال رہے اور نہ زندگی بھر دوسرے سے نکاح کرسکے، اور برابر اَدھر میں لٹکی رہے، گویا کہ ظہار سے واقع شدہ حرمت اتنی سخت سمجھی جاتی تھی کہ اُس کے ہٹانے کی کوئی شکل نہ تھی۔

كان الناس قبل الإسلام إذا غضِب الرجلُ علىٰ زوجته لأمرٍ من الأمورِ، ولم يرد أن تتزوجَ بغيره الىٰ منها أو قال لها: أنتِ علي كظهر أمي، فتحرم عليه تحريمًا مؤبَّدًا لا تحل له بحالٍ، وتبقى كالمعلقة، لا هي بالمتزوجة ولا بالمطلقة. (الموسوعة الفقهية ١٩٠/٢٩ كويت، المكتبة الشاملة)

اِسلام کی نظر میں ''ظہار'' کا مفہوم

اِسلام نے ظہار کے جاہلانہ مفہوم کو بدل کر اُس کو صحیح رخ دیا، اور ایسی راہ نکالی جس سے عورت پر ظلم اور بے جا قید وبند کا خاتمہ ہوسکے، چناں چہ اولاً تو قرآنِ کریم میں یہ فرمایا گیا کہ: ''ظہار کرنے والے یعنی بیوی کو ماں کی طرح قرار دینے والے لوگ دراصل جھوٹ بولنے والے ہیں؛ کیوں کہ ماں تو صرف وہی عورت ہوسکتی ہے جس کے بطن سے آدمی کی پیدائش ہوئی ہو''۔ تو کسی اور عورت کو ماں سے تشبیہ دینے کا کوئی جواز نہیں۔

دوسرے یہ کہ ظہار کی حرمت کو ہٹانے کے لئے کفارہ کا نظام تجویز کیا گیا؛ تاکہ عورت معلقہ بن کر نہ رہے؛ بلکہ کفارہ کی ادائیگی کے بعد ازدواجی تعلق بحال ہوجائے، چناں چہ اِس کی تفصیلات قرآنِ کریم کی سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

آیاتِ ظہار کا شانِ نزول

واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک صحابی ''حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ'' کو اپنی بیوی ''خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا'' پر کسی بات پر سخت غصہ آگیا، اور غصہ میں اُنہوں نے ظہار کے الفاظ کہہ دئے، تو حضرت خولہ اپنے شوہر کی شکایت لے کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ: ''میری جوانی کے زمانے میں اوس نے مجھ سے شادی کی، اور اب جب کہ میں بوڑھی ہوگئی، اور کئی بچے میں نے جن دئے تو اُس نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ اور میری اُس سے کئی اولادیں ہیں، اگر میں اولاد اُس کے پاس چھوڑ دوں، تو وہ ضائع ہوجائیں گی، اور اگر میں اپنے پاس رکھ لوں تو وہ بھوکے رہیں گے''۔ تو چوں کہ اُس وقت تک ظہار کے بارے میں کوئی شرعی حکم نازل نہ ہوا تھا، اور عام تصور یہی تھا کہ ظہار کی وجہ سے عورت شوہر پر ابدی طور پر حرام ہوجاتی ہے، اِس لئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خولہ کو یہی جواب دیا کہ ''تم اپنے شوہر پر حرام ہوچکی ہو''۔ تو حضرت خولہ نے فرمایا کہ میں اپنا شکوہ اللہ کے سامنے رکھتی ہوں۔ حضرت خولہ برابر اللہ سے فریاد کرتی رہیں، یہاں تک کہ اُن کے معاملہ کے بارے میں سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم: ٢٠٦٣ دار الفکر بیروت، الموسوعۃ الفقہیۃ ٢٩/١٩١ کویت، المکتبۃ الشاملۃ) وہ آیات یہ ہیں:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ. اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَآئِهِمْ مَاهُنَّ اُمَّهَاتِهِمْ اِنْ اُمَّهَاتُهُمْ اِلَّا اللّٰائِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ. وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (المجادلۃ: ١-٤)

اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کررہی تھیں، اور اللہ کے دربار میں شکایت پیش کررہی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کا سوال وجواب سن رہا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کربیٹھیں، تو اُس کی وجہ سے وہ عورتیں اُن کی مائیں نہیں بن جاتیں، اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے، اور وہ ایک ناپسندیدہ اور جھوٹی بات بولتے ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کربیٹھیں، پھر وہ وہی کام (ازدواجی تعلق) کرنا چاہیں جس کو کہا ہے، تو اُنہیں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہئے، یہ تم کو نصیحت ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے۔ پھر جو کوئی (غلام) نہ پائے، تو آپس میں چھونے سے پہلے دو مہینے لگاتار روزے رکھنے ہیں۔ پھر جو شخص اِس کی استطاعت نہ رکھے تو اُسے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اِس واسطے ہے کہ تم اللہ اور اُس کے

رسول کے تابع دار ہو جاؤ، اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، اور منکروں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ اِن آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خولہ کے شوہر ''اوس بن صامت رضی اللہ عنہ'' کو بلایا، وہ ایک ضعیف البصر بوڑھے آدمی تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سامنے مذکورہ آیات پڑھ کر سنائیں، اور کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ غلام آزاد کرنا میرے بس میں نہیں ہے، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو''، اِس پر اُنہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میرا حال یہ ہے کہ اگر دن میں کئی مرتبہ کھانا نہ کھاؤں، تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اچھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو''، اِس پر بھی اُنہوں نے معذرت کی، اور عرض کیا کہ اگر آپ ہی کچھ مدد فرمادیں تو میں اِس بوجھ سے سبک دوش ہوسکتا ہوں، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے کچھ غلہ عطا فرمایا اور کچھ اور لوگوں نے تعاون کیا، جس سے اُنہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ سے سبک دوشی حاصل کی۔ (مستفاد: معارف القرآن سورۂ مجادلہ، تفسیر ابن کثیر مکمل)

اِس مختصر تمہید کے بعد ذیل میں ظہار سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کئے جارہے ہیں:

ظہار کی شرعی تعریف

بیوی کو اپنی نسبی یا رضاعی یا سسرالی محرم عورت کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا اور ہاتھ لگانا اُس کے لئے حرام ہے، مثلاً یہ کہا کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے'' یا ''میری بہن کے پیٹ کی طرح ہے''، تو اصطلاحِ شریعت میں اِس کو ''ظہار'' کہتے ہیں۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۱/۵۴۰ کراچی)

هو لغة: مصدر ظاهر من امرأته: إذا قال أنت علي كظهر أمي الخ، وشرعًا تشبيه المسلم الخ، زوجته الخ، أو تشبيه ما يعبر به عنها من أعضائها، أو تشبيه جزء شائع منها بمحرّم عليه تابيدًا بوصف لا يمكن زواله. (الدر المختار مع الشامي ۵/۱۲۳-۱۲۶ زكريا)

ظہار کے لئے تشبیہ لازم ہے

ظہار کے تحقق کے لئے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے حروفِ تشبیہ کے ذریعہ تشبیہ دینا ضروری ہے۔ مثلاً اُردو میں تشبیہ کے حروف جیسے: ''مثل''، ''کی طرح''، ''برابر''، ''جیسی''، وغیرہ، حروفِ تشبیہ کے بغیر بیوی کو بہن یا بیٹی وغیرہ کہنے سے ظہار کا تحقق نہ ہوگا؛ البتہ گناہ ضرور ہوگا؛ کیوں کہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔

(الظهار) تشبيه المسلم زوجتَه الخ، بمحرم عليه تابيدًا الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۵/۱۲۵ زكريا)

ویدل علیه ما نذكره عن الفتح من أنه لا بد من التصريح بالأداة الخ، والذي في الفتح: وفي أنت أمي لا يكون مظاهرًا، وينبغي أن يكون مكروهًا. (شامي ۵/۱۳۱ زكريا)

بلاتشبیہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنا

اگر کسی شخص نے بیوی کو ماں بہن بیٹی سے تشبیہ نہیں دی، مثلاً اُردو میں الفاظِ تشبیہ (مثل، برابر، کی طرح وغیرہ) کا ذکر کئے بغیر بیوی سے یہ کہا کہ: ''تو میری ماں ہے''، یا ''میری بہن ہے''، یا ''میری بیٹی ہے''، تو اگر چہ بیوی سے اِس طرح کے الفاظ کا استعمال گناہ اور جھوٹ ہے؛ لیکن اُس سے ظہار کا حکم ثابت نہ ہوگا۔

ویكره قوله: أنتِ أمي و يا ابنتي ويا أختي ونحوَه. (الدر المختار) جزم بالكراهة تبعًا للبحر والنهر الخ، فقد صرحوا بأن قوله لزوجته يا أخيَّةُ مكروه. وفيه حديث رواه أبوداؤد: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يقول لأمرأته: يا أخية، فكره ذٰلک ونهىٰ عنه. (شامي ۵/۱۳۱ زكريا)

بیوی سے کہا: ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے''

اگر کسی نے بیوی سے یہ کہا کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے''، تو یہ صریح ظہار ہوگا اور بیوی اس پر حرام ہوجائے گی، چاہے اس کی نیت ظہار کی ہو یا نہ ہو، حتیٰ کہ اگر طلاق کی نیت سے مذکورہ الفاظ کہے پھر بھی اُسے ظہار ہی سمجھا جائے گا، اور بہرصورت کفارہ لازم ہوگا، اور کفارہ کی ادائیگی سے قبل بیوی سے تعلق حلال نہ ہوگا۔

لو قال أنت علي حرام كظهر أمي، فإن نوى الظهار أو لا نية له أصلاً فهو ظهار، وإن نوى الطلاق لا يكون إلا ظهاراً في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع ۴/۹ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق ۴/۱۶۴)

کہا: ''اگر بیوی سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے کروں''

شوہر نے بیوی سے کہا کہ ''اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے کروں''، تو اس سے بیوی پر نہ تو طلاق واقع ہوگی اور نہ ظہار ہوگا، گویا یہ کلام لغو ہے۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۲/۵۴۱ کراچی)

لوقال إن وطئتک وطئت أمي، فلا شيء عليه، كذا في غاية السروجي. (الهداية ۵۰۷/۱ زكريا)

کہا: ’’تو میرے لئے خنزیر کے برابر ہے‘‘

اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے سور (خنزیر) کے برابر ہے، تو اگر طلاق دینے کی نیت تھی تب تو طلاق پڑ گئی، اور اگر بغیر کسی نیت کے یا ظہار کی نیت سے کہا تو اِس سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ (مسائل بہشتی زیور ۵۴۳/۱ کراچی)

وإن شبّه الرجل زوجته بشيء محرمٍ من غير النساءِ، فقال الحنفية: لا يكون ظهارًا، كأنْ يقول لها: أنتِ علي كالخمر أو الخنزير أو الميتةِ؛ فإنه لا يكون ظهارًا، ولكن يُرجع فيه إلىٰ نيتهٖ وقصدهٖ، فإن قال: قصدتُ الطلاق كان طلاقًا بائنًا. (الموسوعة الفقهية ۱۹۵/۲۹ كويت، المكتبة الشاملة)

اَجنبیہ عورت سے ظہار کرنا

اگر کوئی اَجنبیہ عورت سے ظہار کے الفاظ کہے کہ ’’تو میرے لئے میری ماں کی طرح ہے‘‘، تو اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا؛ لہٰذا بعد میں اُس کیلئے اس عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ (مسائل بہشتی زیور ۵۴۰/۱ کراچی)

ولو قال لأجنبية: أنت علي كظهر أمي إن دخلت الدار لا يصح، حتى لو تزوجها فدخلت الدار لا يصير مظاهرًا بالإجماعِ. (الفتاوىٰ الهندية ۵۰۹/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

نابالغ اور پاگل کا ظہار

نابالغ اور پاگل کی جس طرح طلاق معتبر اور نافذ نہیں ہوتی، اِسی طرح اُس کے ظہار کا بھی شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مسائل بہشتی زیور ۵۴۰/۱ کراچی)

فلا يصح ظهار الذمي كالصبي والمجنون. (الفتاوىٰ الهندية ۵۰۶/۱ بيروت)

بیوی کی طرف سے ظہار معتبر نہیں

بیوی کا اپنے کو اپنی ماں یا شوہر کی ماں وغیرہ کی طرح کہنا لغو ہے، اگر عورت ایسا کوئی جملہ کہہ دے تو

اِس سے کوئی حرمت اور کفارہ متعلق نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۳۰ ڈابھیل)

وظهارها منه لغو، فلا حرمة عليها ولا كفارة، به يفتى (الدر المختار) أي إذا قالت: أنت علي كظهر أمي أو أنا عليک كظهر أمک، فهو لغو؛ لأن التحريم ليس إليها. (الدر المختار مع الشامي ۱۲۷/۵ زكريا، ۴۶۷/۳ كراچی، ومثله في البحر الرائق ۱۵۹/۴، قاضي خان على الفتاوىٰ الهندية ۵۴۳/۱)

ظہار مطلق کا حکم

ظہار مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ عورت اگرچہ نکاح میں رہے گی اور اُس کو دیکھنا اور اُس سے بات چیت کرنا جائز رہے گا؛ لیکن کفارہ ادا کرنے سے پہلے اُس سے صحبت کرنا، بوسہ لینا اور شہوت کے ساتھ چھونا وغیرہ سب حرام رہے گا، خواہ کتنے ہی سال گذر جائیں۔ اور جب حسبِ شرائط کفارہ ادا کردیا جائے گا تو اَب وہ دونوں حسبِ سابق میاں بیوی کی طرح رہیں گے۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۱/۵۴۰ کراچی)

فيحرم وطؤها عليه ...... ودواعيه للمنع عن التماس الشامل للكل، وكذا يحرم عليها تمكينه، ولا يحرم النظر (الدر المختار) وفي الشامية: قوله تعالىٰ: ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ فإنه شامل للوطء ودواعيه. (الدر المختار مع الشامي ۱۲۸/۵-۱۲۹ زكريا)

ظہار مؤقت کا حکم

اگر مقررہ وقت کے لئے بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح حرام قرار دیا ہے، (مثلاً کہا کہ تو ایک ہفتہ یا ایک مہینہ کے لئے ماں کے مانند ہے) تو وقت گذرنے کے بعد حلت لوٹ آئے گی، اور وقت کے اندر اندر بلا کفارہ بیوی سے انتفاع درست نہ ہوگا۔

ولو قيده بوقتٍ سقط بمضيّه (الدر المختار) فلو أراد قربانَها داخل الوقت لا يجوز بلا كفارةٍ. (الدر المختار مع الشامي ۱۳۰/۵ زكريا)

ويصح أن يكون مؤقتًا بمدةٍ معينةٍ، مثل أن يقول الرجل لزوجته: أنتِ علي كظهر أمي شهرًا، فإذا قال لها ذٰلک كان مظاهرًا منها في تلک المدة، فإذا عزم علىٰ قربانها

فيهـا وجبت عليه الكفارة، فإذا مضى الوقت زال الظهار، وحلت المرأة بلا كفارةٍ، وهٰذا عند الحنفية والحنابلة والشافعية في الأظهر. (الموسوعة الفقهية ٢٩/١٩١ كويت، المكتبة الشاملة)

ایک مجلس میں کئی مرتبہ ظہار کرنا

اگر ایک شخص نے بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کرلیا، مثلاً ''تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے'' جیسے الفاظ کئی مرتبہ کہے، خواہ ایک مجلس میں یا کئی مجلسوں میں، تو جتنی مرتبہ اس نے الفاظ ظہار کہے ہوں گے، اتنے کفارے دینا اس پر واجب ہوگا؛ البتہ اگر یہ الفاظ ایک ہی مجلس میں کہے ہوں اور دوسری اور تیسری مرتبہ کہنے سے محض تاکید اور پختگی کی نیت کی ہو، نئے سرے سے ظہار کرنا مقصود نہ ہوتو پھر اس کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے ایک کفارہ دینے کا حکم ہوگا۔ اور اگر الگ الگ مجالس میں الفاظِ ظہار کہے ہوں تو تاکید کا دعویٰ قبول نہ ہوگا؛ بلکہ ہر مرتبہ کہنے پر الگ سے کفارہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: مسائل بہشتی زیور ۲/۵۴۲ کراچی)

ظـاهـر مـن امـرأته مرارًا في مجلس أومجالس فعليه لكل ظهار كفارة، فإن عنى التـكـرار والتـاكيد فإن بمجلس صدق قضاءً وإلا لا على المعتمد. (الـدر المختار مع تنوير الأبصار على الشامي ٥/١٣٢-١٣٣ زكريا)

ظہار کرکے چھوڑے رکھنے پر بیوی کا کفارہ ادا کرنے کا مطالبہ کرنا

اگر ظہار کر کے بیوی کو چھوڑے رکھا اور صحبت بھی نہیں کی، اسی طرح چار مہینے گذر گئے تو بیوی کو از روئے شرع اس کی اجازت ہے کہ وہ شوہر سے کہے کہ آپ کفارہ ادا کرکے میرا حق ادا کریں۔ اور اِس بارے میں وہ اپنا مقدمہ شرعی عدالت یا محکمہ شرعیہ میں بھی پیش کرسکتی ہے، اور قاضی اُس عورت کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے شوہر کو کفارہ اَدا کرنے کا پابند کرے گا۔

ولـلـمرأة أن تطالبه بالوطء لتعلق حقّها بهٖ الخ، وعلى القاضي إلزامه بهٖ بالتكفير دفعًا لـلـضـرر عـنـهـا بحبسٍ أو ضربٍ إلىٰ أن يكفر أو يطلقَ (الدر المختار) وقد يقال فـائـدة الإجبار على التكفير رفعُ المعصية أي أن الظهار معصيةٌ حاملة لهٗ على الامتناع من حقها الواجب عليه ديانةً، فيأمره برفعها لتَحلَّ لهٗ. (الدر المختار مع الشامي ٥/١٣٠ زكريا)

جامعہ کے شب و روز

مہتمم جامعہ کی مشغولیات: مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب رمضان کے پہلے ہفتے میں بیرونی سفر سے زیارتِ حرمین شریفین سے بہرہ ور ہوکر بعافیت واپس تشریف لے آئے، اور سالِ گذشتہ کی طرح تراویح کے بعد حوض والی مسجد محلّہ لالباغ میں تفسیر و بیان کا معمول جاری رکھا، جس سے بڑی تعداد میں عوام وخواص نے استفادہ کیا۔ تراویح میں حوض والی مسجد میں آپ کے صاحبزادے مولوی حافظ محمد کعب سلمہ نے قرآنِ کریم سنایا۔

رمضان المبارک میں جامعہ کی سرگرمیاں: رمضان المبارک میں حفظ وناظرہ اور دینیات کی تعلیم حسبِ معمول جاری رہی، اہتمام وندائے شاہی کے دفاتر کھلے رہے، ماہِ مبارک میں معمول کے مطابق دیگر مدارس کے سفراء نے جامعہ میں قیام کیا، کاغذات دیکھ کران کی تصدیق کی گئی اور سحر وافطار کا نظم مدرسہ کے زیرِاہتمام کیا گیا۔

شاہی مسجد میں بعد ظہر حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی اصلاحی بیان فرماتے رہے، اور بعد تراویح مفتی محمد سلمان صاحب نے حسبِ سابق تفسیری بیان کا سلسلہ جاری رکھا، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اِس سال شاہی مسجد میں مفتی ابوبکر صدیق بن مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری نے تراویح میں قرآنِ کریم سنایا، جب کہ مدنی مسجد میں مولوی احمد اللہ سلمہ بن حضرت مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی استاذِ حدیث جامعہ نے سنایا، اور دونوں مساجد میں ۲۹ رمضان کو قرآن ختم ہوا۔

○ شاہی مسجد میں مفتی محمد سلمان منصورپوری نے معمول کے مطابق احباب کے ساتھ اعتکاف کیا، جب کہ مدنی مسجد میں حضرت مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی استاذِ حدیث جامعہ معتکف رہے۔

وفیات: ماہِ رواں میں درج ذیل حضرات کے انتقال کی خبریں بھی موصول ہوئیں، جامعہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، قارئین سے بھی ایصال ثواب کی اپیل ہے: جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب علی گڈھ، جناب حاجی عبدالجمیل صاحب عرف پپو مالک الکرم دواخانہ علی گڈھ، خالہ صاحبہ مفتی محمد رضوان صاحب اُستاذِ جامعہ، جناب محمد سعید صاحب ضلع دمکا جھارکھنڈ، جناب محمد یونس صاحب موضع کملاپور ضلع سیتاپور، جناب علی حسن صاحب والد حافظ محمد لقمان موضع جٹواڑہ ضلع مظفرنگر یوپی، ہمشیرہ حافظ رئیس احمد نگراں مکاتب جامعہ۔

□□□